بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صارم خان نے یہ ناول (شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے) صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھا ہے۔اس ناول(شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے)کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے،ڈائجسٹ،سوشل میڈیا،ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ: نیو ایرا میگزین

WEB SPECAIL NOVEL

****

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے

قسط نمبر: 1

"بودریا: الشیطان البحر"

(The Devil of Sea)

بہت حاصل نہ مگر مسکراہٹوں کی تابانی

نوکیلی شاخوں سے لپٹی اشکوں کی بیانی

گھپ تاریکی میں اِک تاباں جگنو کی زبانی

بس ایسی ہی ہے نور اور حبیب کی کہانی

☆☆☆

"کہہ دو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور خدا کی زمین کشادہ ہے۔ جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔"

(سورۃ زمر:10)

☆☆☆

دولۃ القطر کا شہر الدوحۃ۔ سن 1989ء۔ جون کے مہینے کی گرم راتیں۔ رات کا آخری پہر۔ ابھی صبح صادق کی پہلی قرن نے تاریکی کی سیاہ چادر کو نہیں چیرا تھا۔
قطر کے قدیم محلّہ الغانم میں سنسانی اپنے عروج پر تھی کہ قدموں کی خاموش چاپ نے سنسانی ختم کی۔ تیز تیز چلتے قدم محلّے کے آخری خستہ حال مکان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ مکان کے ٹوٹے دروازے پر پہنچ کر قدم رُک گئے۔ بنا آواز کے دروازہ کھولا گیا۔ چہرے کو کپڑے سے ڈھانپے، بغیر چاپ کے ایک ہیولا سا اندر داخل ہوا۔ سر پر ٹوپی پہنے، بال ٹوپی کے اندر چھپے تھے۔
گھر کے اندر گھس کر اطراف کا جائزہ لیا۔ اندر کا منظر ویسا ہی تھا، جیسا اس زمانے میں وہاں کے تمام گھروں میں نظر آتا تھا۔ داہنی دیوار کے نیچے آگ جلانے کی لکڑیاں، چند ہانڈیاں اور مٹی کے پیالے پڑے تھے۔ باہنی دیوار سیاہ تھی اور نیچے لکڑیوں کی راکھ پڑی تھی۔ سیدھ میں دیکھو تو دو چھوٹے کمرے نظر آتے تھے جن کی چوکھاٹ میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ ایک مکمل اندھیر تھا جبکہ دوسرے کے اندر سے ہلکی روشنی باہر آرہی تھی، جیسے لالٹین جلا پڑا ہو۔

آدمی کے قدم اُسی کمرے کی جانب بڑھے۔ کمرے کے اندر دو پلنگ پڑے تھے اور پاس میں ہی ایک میز پر لالٹین جل رہا تھا۔ایک پلنگ پر ایک آدمی سویا پڑا تھا۔ جبکہ دوسرے پلنگ پر ایک عورت اور ساتھ چند ماہ کا بچہ سویا پڑا تھا۔

آدمی بس دو قدم آگے بڑھا اور ماں کی آغوش سے اُس کا بچہ کھینچا۔ماں کی آنکھیں فوراً کھلیں۔آدمی نے بچے کو جھپٹا،اور گود میں لئے بھاگا۔اسے اور کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔ ماں کے چلاّنے کا شور،بچے کے رونے کی آواز،اپنے پیچھے کسی دوسرے آدمی کے دوڑنے کی چاپ۔اسے سب سنائی دئے جا رہا تھا۔ مگر اسے اس سب سے کوئی مطلب نہیں تھا۔وہ بس دوڑے جا رہا تھا،بے مقصد،اندھا دھن۔

محلے کا موڑ آیا۔دیوار سے کمر ٹکائے،وہ رکا۔ کسی دوسرے کی دوڑنے کی چاپ بند ہو گئی تھی،یعنی وہ اب اس کے بہت پاس تھا۔بچہ ویسے ہی روئے جا رہا تھا۔آدمی ایک جھٹکے سے مڑا اور ہاتھ میں پکڑا خنجر اُس کے گلے میں ڈال دیا۔ جھٹکے کے باعث اس کی ٹوپی زمین پر گری اور لمبے بال کندھوں پر آ گرے۔

خون کی چھینٹ اس کے اور بچے کے چہرے پر آ گریں۔بچے کا باپ لڑھک کر گر گیا۔ آدمی نے اس کے گلے سے خنجر نکالا اور ایک دفعہ پھر بے دردی سے مارا تا کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے۔ پھر کنجر نکالا اور بھاگ گیا۔

بچے کا باپ نظروں میں عجب سی ناکامی اور غم لئے اپنی آخری سانسیں لیتا رہا۔آنسو انکھوں سے لڑھکے۔سانس کی نالیوں نے آخری سانسیں خارج کیں۔ تبھی صبح صادق کی پہلی قرن آسمان پر چمکی۔اذانِ فجر کی صدائیں ہواؤں میں گونجیں۔

"اللہ اَکبَر،اللہ اَکبَر۔"

☆☆☆

نیوائر نائت تھی۔ابھی نئے سال میں آدھا گھنٹہ باقی تھا۔لڑکے لڑکیاں ایک گروہ بنائے کھڑے تھے۔سب کے ہاتھوں میں کینز تھے۔ان کا بے ہنگم شور ہر جگہ باآسانی سنائی دے رہا تھا۔ گروہ کے درمیان دو لوگ تھے۔

ایک سیاہ جینز اور گرے شرٹ کے اوپر موٹی جیکٹ پہنے،کھلے تراشیدہ بھورے بالوں والی لڑکی۔اسکی سنہری آنکھیں میں ایک انوکھی سی چمک تھی۔

"نور!نور!نور!"لڑکیوں کا تیز شور۔

ایک لڑکا جو سیاہ جینز اور سفید شرٹ میں تھا،اس کا بھاری جسم اس کی کمزوری کا اندازہ لگانے کے لئے کافی تھا۔

"ارتضی!ارتضی!ارتضی!"لڑکوں کی بے ہنگم آوازیں۔

ڈبلی پتلی نور پورے زور سے موٹے ارتضی کے سر پر اپنی ہیل مارے جا رہی تھی اور پھر مکا بھی مار دیتی۔ موٹا ارتضی پوری کوشش سے اپنے آپ کو بچانے میں مصروف تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں دل کھولے ہنسے جا رہے تھے۔ جب بھی نور ان کے ساتھ کسی بھی ایونٹ پر آتی تھی، انہے یہ
دیکھنے کو ملتی تھی۔ کسی لڑکے کو ایک لڑکی سے پٹتے ہوئے دیکھنا بہت مزے دار تھا۔

"Entertainment"

کیفے کا املہ بھی یہ منظر دیکھے انجوائے کر رہا تھا، انہیں اس سب کی عادت تھی۔ وہاں اکثر ایسے ایلیٹ کلاس ینگسٹرز یہ تماشے کرنے آتے تھے۔ کوئی آگے ہو کر روک نہیں رہا تھا۔

"چلو چلو بوئز اینڈ گرلز! بہت ہو گیا مقابلہ، اب بہت تھوڑا ٹائم باقی ہے۔ گیٹ آن یور پوزیشنز۔" کیفے کا مینیجر آیا اور سب کو وقت سے مطلع کیا۔ سب سمجھ گئے تھے اب کیا کرنا ہے۔ لڑکیاں آگے ہوئیں اور نور کو زبردستی پیچھے کیا اور لڑکوں نے آگے ہو کر ارتضی کو بچایا۔ دونوں نے اپنے اپنے کپڑوں سے گرد جھاڑی۔

"لڑکی تھی اس لئے کچھ نہیں کہا۔" ارتضی دور سے چلایا۔ سب لڑکے ہنسنے لگے۔

"ارے تم جیسے سو(100)توہوں۔"نور غرائی۔اب کی بار لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔"اگر تم لوگ مجھے پیچھے نہ کرتے نہ توآج یہ میرے ہاتھوں جاتا۔"نور کپڑے جھاڑ کر بولی۔پھر واپس ہیل پہننے لگی مگر ہیل بری طرح ٹوٹ چکی تھی۔نور نے پاؤں سے اسے دور پھینکااور دوسرا بھی اتار دیا۔

نئے سال میں اب بس پانچ منٹ باقی تھے۔لڑکے آتش بازی کاسامان تیار کئے کھڑے تھے اور لڑکیاں وہ تمام خواہشات جو وہ اگلے سال پورا کرناچاہتی ہیں چھوٹی چھوٹی چِٹس پر لکھ کر غباروں میں بھر رہی تھیں۔پھر سب اپنے اپنے سیاہ رنگی غباروں میں helium بھر کرہاتھوں میں لئے تیار کھڑی تھیں۔نور بھی یہی کررہی تھی۔

"تم نے پھر وہی لکھانہ جو تم ہر سال لکھتی ہو۔"عائزہ نے اکتا کر نور کودیکھا۔

"کیا؟"نور جیسے انجان بنی۔

"عائزہ نے وہ جملہ فرفر دہرادیا۔

Bénis moi avec un

" protecteur

"تو؟"نور کو برالگا۔

"کون سی زبان ہے یہ؟"

"گوگل کرلو۔"ساتھ ہی داہنی آنکھ جھپکائی۔وہ جانتی تھی وہ کبھی بھی نہیں کریگی۔کس کے پاس اتناوقت ہے بھلا؟

"آہ!"وہ کراہی۔"تم خود نہیں بتاسکتی کیا؟"

"گائز!آرہوریڈی؟"منیجر ایک بار پھر بیچ میں آگیا۔

"سب نے یک آواز چلایا۔ Yes!"

تبھی ایک بیل سی بجی اور کیفی کی تمام بتیاں بجھادی گئیں۔لمحے بھر کے لئے اندھیرااور خاموشی رہی پھر اگلے ہی لمحے آسمان پر بے پناہ روشنیاں ابھریں،لڑکوں نے آتش بازی کا باقعدہ آغاز کیااور لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں سے غبارے چھوڑے۔

سب گلا پھاڑ کر چلانے لگے۔

Happy New Year 2019""

پھر سب یونہی چلاتے ہوئے کیفے سے باہر بھاگے اوراپنی اپنی بائکوں پر باری باری سوار ہونے لگے۔نور بھی عائزہ کی بائک پر بیٹھ گئی اوران بائکوں کے پیچھے لپکی۔سارا راستہ وہ سب ہو نہی چلاتے رہے اور آتش بازی کرتے رہے۔پھر آہستہ آہستہ سب اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ڈنر تو وہ سب پہلے ہی کر چکے تھے۔عائزہ نے بھی نور کو قریباًایک بجے تک گھر چھوردیا۔

☆☆☆

گھر میں مکمل خاموشی تھی۔نور نے اسے نعمت سمجھا اور فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی کہ اچانک آواز آئی۔

"نور! کیا وقت ہو رہا ہے؟" مریم ہاتھ باندھے اس کے پیچھے ہی کھڑی تھی۔نور زرا نہ ٹھٹکی، وہ جانتی تھی گھر کی وارڈن صاحبہ اس کے انتضار میں ضرور بیٹھی ہونگی۔

"ہاں یہی تو میں سوچ رہی تھی کہ زرا وقت دیکھو اور تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟ چچ چچ! تمہے ابھی تک سو جانا چاہیئے تھا۔" مریم ابھی تک اسے ویسے ہی دیکھ رہی تھی۔طنظیہ نظروں سے۔

"جوتے کہاں ہیں؟"

"وہ مجھے راستے میں ایک غریب عورت ملی۔اسے دیکھ کر مجھے اس پر بہت ترس آیا۔ میں نے سوچا میرے پاس تو بہت ہیں، یہ والی اسے دے دیتی ہوں" مریم ابھی بھی اسے ویسی ہی مشکوک نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔چند لمحے گزرے اور نور خود ہی بول پڑی۔

"کیا یار! وہ چھیڑ رہا تھا مجھے۔اس نے مجھے غصّہ دلایا تھا۔"

"اور تم غصّہ ہو گئی۔ واہ! نور کتنی دفعہ کہا ہے کہ سب لوگ تمہارا مزاق بنانے کے لئے یہ سب کرتے ہیں۔ کل جب ہم مال گئے تھے، وہاں بھی تم ایک آدمی سے لڑنے کھڑی ہو گئی تھی اور اب پھر؟" چہرے پر واضع غصّہ تھا۔ "کیا وہاں باقی کوئی بھی نہیں تھا جو تمہارے لئے لڑتا؟"

"تھے نہ۔ سب تھے۔ لیکن مجھے کسی پر بھی بھروسہ نہیں ہے۔" پھر مریم کو گلے لگایا۔

"ساتھ ہی مسکرائی۔ Happy New Year 2019"

"یو ٹو!" پھر اسے پیچھے کیا۔ "دادی جان تمہارا انتظار کرتے کرتے سو گئیں۔ انہیں تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔"

"کیا بات؟" نور کو تجسس ہوا۔

"یہ تو اب وہی بتائیں گی۔ گڈ نائٹ!" کہہ کر مریم اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نور وہیں کھڑی کچھ دیر سوچتی رہی پھر وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

اسلام آباد میں وہ صبح روشن اور تر و تازہ اتری تھی۔ ٹھنڈی رات کے بعد نکلنے والا گرم سورج دن کی خوبصورتی بڑھا رہا تھا اور سردیوں میں سورج دل کو ایک عجیب سی خوشی دے رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ زور زور سے بجایا جارہا تھا۔نور کی سرخی مائل آنکھین کھلیں۔

"کون ہے؟"نیند بھری آواز میں پوچھا۔

"میں ہوں، عمران چاچا۔نور بیٹا ناشتہ تیار ہے اور دادی جان ٹیبل پر آپکا انتظار کر رہی ہیں۔"خانساماں نے حسبِ عادت اسے ناشتے پر بلایا۔

"اچھا آرہی ہوں۔"بڑی سنہری آنکھوں میں اکتاہٹ ابھری۔

اٹھتے ہی سب سے پہلے شیشا دیکھا، تراشیدہ بھورے بال باندھے۔پھر غسل خانے کا رخ کیا۔جب کچھ دیر بعد نکلی، تو حالت پہلے سے قدرے بہتر معلوم ہوتی تھی۔کپڑے تبدیل تھے اور بالوں میں ہلکے رولز بنے تھے، جیسے کہیں جانے کی تیاری ہو۔سنہری آنکھیں اب کچھ دیر پہلے کی طرح سرخ بھی نہیں تھیں۔

"اسلام علیکم دادی جان! صبح بخیر۔"نیچے جاتے سب سے پہلے سادہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس نفیس عورت کے گلے لگی۔

"والیکم اسلام میری جان! کل رات کہاں تھی؟"وہیل چئر پر بیٹھی بوڑھی مگر خوبصورت سی عورت نے پوچھا۔

(دادی جان کے روز کے سوال جواب کا سیشن شروع،اُف!)

" کہیں بھی نہیں۔بس عائزہ کے گھر تھی۔پیپرز کی تیاری کر رہے تھے۔" نظریں چراتے ہوئے دادی جان کے سامنے آبیٹھی۔

" پیپرز تو تمہاری ابھی کچھ دن پہلے ہی ہوئے ہیں" دادی جان نے آنکھیں سکیڑ کر نور کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سچ کہ رہی ہونا؟" مسکراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہیں یہ جھوٹ ہے۔میں اپنے کلاس میٹس کے ساتھ نیوائیر نائٹ سلیبرٹ کر رہی تھی۔" پھر لمحے بھر کو رکی۔"ہائے داوے! آپ کو مجھے کچھ کہنا تھا کیا؟ مریم کہہ رہی تھی۔"

"ہاں کہنا تو تھا۔" پھر رکیں۔چائے کا کپ لبوں سے لگایا، جیسے الفاظ چن رہی ہوں۔" وہ۔۔تمہارے سکندر تایا اپنی فیملی کے ساتھ کچھ دن کے لئے آرہے ہیں۔"

نور کے ٹوسٹ پر جیم لگاتے ہاتھ رکے اور بے یقین نظروں سے دادی کو دیکھا۔

"impossible" "تایا جان؟ بغیر چھٹیوں کے؟ اور وہ بھی فیملی کے ساتھ؟۔۔۔!

"ہاں وہ سب چند دن بعد آرہے ہیں۔"

" مگر کیوں؟" نور کو دھچکا لگا تھا۔

"کیا مطلب کیوں؟ان کی جب مرضی آ سکتے ہیں۔" دادی جان کو نور کا لہجہ کچھ عجیب لگا۔

"میرا مطلب ہے کہ تایا جان تو ٹھیک ہیں مگر تائی جان،اور عثمان بھائی اور حبیب؟ یہ سب تو جب سے گئے ہیں آج تک نہیں آئے۔جب بھی ملنا ہوتا تھا تو آپ امریکا چلی جاتی تھیں۔اب ایسا کیا ہے کہ وہ سب یوں اچانک آ رہے ہیں؟"

"یہ تو اب اُن کے آنے پر ہی پتہ چلے گا۔" کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

نور نے ناشتہ وہیں چھوڑ دیا۔کچھ تو تھا جو اُسے کترا تا تھا۔اس سب میں کہیں کچھ عجیب تھا۔

☆☆☆

سوشولوجی کی کلاس تھی اور نور ہمیشہ کی طرح سر بلال کو دلچسبی سے سن رہی تھی۔وہ اس کا پسندیدہ سبجیکٹ تھا اور سر بلال کا پڑھانے کا طریقہ اسے اور دلچسپ بناتا تھا۔

"سوسٹوڈنٹس! یہ میری آپ کے ساتھ اس سمسٹر کی آخری کلاس ہے۔اسائمنٹس کی ڈیٹیلز آپ کورڈینیٹر کے آفس سے وصول کر لیں اور اگلے جمعہ تک سب اسائمنٹس سمبیٹ بھی کروالیں۔" پھر رکے۔"اب آپ سے انشااللہ اگلے اور آخری سمسٹر میں ہی ملاقات ہو گی۔"

کہہ کر وہ کلاس سے نکل گئے۔

نور کو احساس ہوا کہ اِرتضی کب سے اسے غصّے سے گھورے جا رہا ہے۔ شاید وہ اب بھی رات والے واقعے پر غصّہ تھا۔ نور کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ لمحے بھر کو اسے دیکھی، پھر واپس منہ مور لیا۔ اسے بلکل پرواہ نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد نور عائزہ کے ساتھ کورڈینیٹر کے آفس کے باہر موجود تھی۔ نور کے چہرے پر موجود غصّہ اور ماتھے پر پڑے بل واضع تھے۔ عائزہ دل کھولے ہنسے جا رہی تھی۔

"یہ کس قسم کا ٹاپک ہے؟ اس کا تو ہمارے کورس سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں!" نور منہ بسورتے بول رہی تھی۔

"کس نے کہا تھا ارتضی کے ساتھ یوں کرنے کو؟ تم کارڈینیٹر کے بھتیجے کو سب کے سامنے بے عزّت کرو اور وہ تمہارے ساتھ اچھا کرے؟۔ نہ تم اسے سب کے سامنے یوں شرمندہ کرتی اور نہ تمہے ایسا ٹاپک ملتا۔ ہاہاہا!"

عازہ بڑا سا منہ کھولے ہنسے جا رہی تھی اور نور پریشان۔ ارتضی دور سے کھڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب تم ہنسنا بند کرو ورنہ میں چلی جاؤں گی۔"

مگر عائزہ پر اس کی دھمکی کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ویسے ہی ہنستی رہی۔ نور اٹھ کر جانے لگی اور عائزہ اس کے پیچھے کو لپکی۔

☆☆☆

یونی سے واپس جاتے ہوئے ایکسپریس وے پر نور ٹریفک میں پھنس گئی۔ گاڑی بند کر کے نور وہیں بیٹھ گئی۔

اچانک کھڑکی پر دستک ہوئی۔ نور نے دیکھا وہاں ایک بوڑھی ضعیف عورت کھڑی تھی۔ سر پر سیاہ ڈوپٹہ پہنے، عورت کے چہرے پر جھڑیاں اور آنکھوں تلے سیاہ ہلکے واضح تھے۔ سفید بالوں کی لٹیں ڈوپٹے سے باہر کو نکلی تھیں۔ دیکھنے پر اسے وہ عورت قدرے عجیب لگی۔ نقش و نین بھی قدرے مختلف تھے۔

نور کو اس ضعیف عورت پر بے پناہ ترس آیا۔ نور نے اپنے والٹ سے کچھ پیسے نکالے، شیشہ نیچے کیا اور ہاتھ باہر نکالا۔

"یہ لیں۔" مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے کیا۔ مگر پیسے تھامنے کے بجائے وہ عورت نور کو عجیب نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ نور کو کچھ عجیب محسوس ہوا۔

"کیا؟" ماتھے پر بل پڑے اور بڑی آنکھوں میں تحیّر سا ابھرا۔

عورت نے نظریں پیسوں پر جھکائیں۔ پھر ہاتھ آگے کیا۔ مگر پیسے لینے کے بجائے نور کی کلائی کو پکڑ لیا۔

نور نے اس ضعیف عورت کی آنکھوں میں دیکھا تو اس عورت کی پتلیاں سکڑ گئیں جیسے نہ ہونے کے برابر۔ نور ڈر کر جھٹکے سے پیچھے کو ہوئی مگر بڑھیا نے کلائی ویسے ہی پکڑے رکھی۔ کلائی اتنے زور سے پکڑی گئی تھی کہ نور کو درد ہونے لگا۔ نور نے بازو پیچھے کو کھینچنا چاہا مگر کچھ فرق نہ پڑا۔

"چھوڑو! مجھے درد ہو رہا ہے۔ چھوڑو!" وہ چلائی۔ بیچ سڑک پر یوں چلانا بھی غیر مناسب لگ رہا تھا۔

نور نے اپنا پورا زور لگایا، تو اس بڑھیا نے خود ہی ہاتھ چھوڑ دیا۔ بڑھیا نے اب دوسرا ہاتھ گاڑی کے اندر کیا اور ہاتھ میں موجود کاغذ نور کے ہاتھ میں تھمایا۔ نور نے محسوس کیا کہ بڑھیا کی آنکھوں کی پتلیاں واپس ویسے ہی ہو گئی ہیں جیسے عام انسان کی۔ بڑھیا چبھتی ہوئی مسکرائی اور قدم قدم پیچھے ہوتی گئی اور گاڑیوں میں کہیں غائب سی ہو گئی۔

نور نے اپنی گود میں پڑے کاغذ کو دیکھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کاغط کو اٹھا کر باہر پھینک دے مگر چاہ کر بھی اسکے اندر اتنی ہمّت نہیں آ رہی تھی کہ گود سے کاغذ اٹھائے۔ نا جانے کیوں؟

نور کو احساس ہوا کہ اس کی لین کی گاڑیاں کب سے آگے چلی گئی ہیں اور اس کے پیچھے والی گاڑیاں کب سے ہارن بجائے جا رہی ہیں۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور آگے نکل گئی۔

☆☆☆

گھر پہنچتے پہنچتے شام ہونے کو تھی۔ آہ! سردی کے چھوٹے دن اور لمبی راتیں۔ مالی پورچ کے ساتھ اُگے کشادہ باغیچے میں موجود پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ باغیچے میں اونچے اونچے درخت اُگے تھے۔ جن کے نیچے بیٹھنے کے لئے بینچ پڑے تھے۔

گھر پہنچ کر بنا کسی سے بات کئے وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔ جو ابھی اس نے دیکھا تھا، اس کے بعد وہ اس حالت میں نہیں تھی کہ کسی سے بات بھی کرے۔ ڈھلتی ٹھنڈی دھوپ میں بھی اسے اپنے ماتھے پر پسینہ محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس بڑھیا سے ڈری نہیں تھی مگر یہ شاک تھا یا کیا جو اسے کاٹ رہا تھا۔

کمرے میں جاتے ہی اس نے یونی والا بیگ صوفے پر پھینکا اور ہاتھ میں پکڑا کاغذ دیکھا۔ اب سکون سے دیکھنے پر اسے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی کاغذ کا ٹکڑا نہیں تھی بلکہ ایک خط کا لفافہ تھا جو اس بڑھیا نے نور کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ یعنی وہ بڑھیا کوئی عام سائیکوپیتھ

نہیں تھی بلکہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت نور کے پاس آئی تھی۔وہ یقیناً نور تک کوئی پیغام پہنچانا چاہتی تھی۔

نور کا بے اختیار دل چاہا کہ اس خط کو دیکھے اور کھولے بغیر باہر پھینک دے مگر وہ کیا چیز تھی اس کے اندر جو ایسی کسی بھی چاہ کو بجالانے کے خلاف تھی۔وہ چاہ کر بھی نہیں پھینک سکی۔اور دیکھتے دیکھتے خط لئے بیڈ پر آبیٹھی۔

اس خط کے لفافے پر ایک خاص سیل لگی تھی۔موم کی سیل۔ایسی سیل یا تو اس نے 'ہیری پوٹر' کی موویز میں دیکھی تھی یا پھر کسی تاریخ پر مبنی ڈرامے میں۔نور کو یہ سب کچھ عجیب لگا، کیا یہ خط بیرونِ ملک کے کسی خاص ادارے کی طرف سے بھیجا گیا تھا؟ کیونکہ پاکستان میں کوئی بھی عموماً خط نہیں بھیجتا اور سیل تو بلکل بھی نہیں کرتا۔میل کا زمانہ تھا!

یا پھر یہ کوئی مزاق تھا؟ یقیناً یہ کوئی بہت گھنونہ مزاق تھا،اور نور جانتی تھی یہ مزاق کون کر سکتا تھا۔ارتضی کے علاوہ یہ سب کوئی نہیں کر سکتا تھا،اس نے یہ سب نور کو ڈرانے کے لئے کیا ہے۔

(ہونہہ اڈیٹ!! جیسے میں تو ڈر گئی۔۔)

خیر! نور نے وہ خط پھاڑنے کے انداز میں کھولا۔وہ جانتی تھی اندر اس نے کوئی دھمکی دی ہوگی۔ مگر اس کے خیالوں کے برعکس اندر ایک سفید صفحہ تھا جس کے وسط میں سیاہی سے چند الفاظ لکھے تھے:

سألتقي بكم في لآلئ العرب

(میں ملوں گا تم کو عرب کے موتی میں)

حيث توجد مياه ذهبية رائعة وأبراج شاهقة

(وہاں جہاں پھوٹے سنہرا پانی، اور سربلند میناروں میں)

تعال إلي، أنا أستحقك

(آؤ میرے پاس کے میں ہی تمہارا حقدار ہوں)

تألق الماس فقط في أيدي مرتديها الماس

(ہیرا چمکے صرف ہیرا پہننے والے ہاتھوں میں)

اور اس کا دماغ تو جیسے بھک سے اڑ گیا۔ پہلی بھی اس کاغذ پر پرنٹ شدہ نہیں تھی بلکہ وہ کسی نے خود سیاہی سے لکھی تھی۔انتہائی خوبصورت اور میچور ہینڈ رائٹنگ، جیسے کسی خطاط کی ہو۔انتہائی سلیس عربی، جیسے کسی عرب کی ہو۔اس نے جلدی سے اس عربی شعر کی تشریح گوگل سے نکالی مگر تشریح بھی قدرے عجیب تھی۔اسے سمجھ نہ آیا

بھیجنے والا آخر کیا کہنا چاہتا ہے۔اسے بس اتنااندازہ ہو گیا کہ یہ کوئی شعر نہیں بلکہ ایک پہیلی ہے جو اسے بوجھنی ہے۔

کچھ نہ کچھ اسے کھٹک ضرور رہا تھا۔ارتضی جیسے لوگ، جنہوں نے بچپن کے علاوہ قرآن چھوا تک نہیں،اتنی سلیس عربی میں کچھ کیسے لکھ سکتے تھے اور اگر اس نے یہ کسی سے لکھوا بھی لیا، تو وہ عورت؟

وہ عورت ایسے عجیب طریقے سے کیوں بیہیو کر رہی تھی؟اس کی آنکھیں کتنی پُراسرار سی تھیں۔اور مسکراتے ہوئے،اس کی آنکھوں کی پتلیاں جیسے سکڑ گئیں، یہ کوئی عام انسان نہیں کر سکتا۔

پھر سر جھٹک کر سارے ابہام کو اپنے دماغ سے پڑے پھینکا۔ابھی اس کی زندگی میں اور بھی بہت ضروری کام تھے اس سب کے علاوہ۔جو بھی تھا وہ جانتی تھی کہ یہ سب ایک مزاق تھا۔

مگر یہ اس کی بھول تھی۔۔

☆☆☆

وہ صبح اونچے درختوں والے گھر پر بہت مصروف اتری۔ گھر میں ہر طرف کھانے کی خوشبو رچی بسی تھی۔ تمام ملازم گھر کی صفائی میں مصروف نظر آتے تھے۔ اور خانساماں کچن میں کھانا بناتے ہوئے۔

دادی جان ویل چیئر پر بیٹھیں ہاتھ میں سوئی اور گوٹ لئے سویٹر بن رہی تھیں، جبکہ مریم تمام ملازموں کو گائڈ کر رہی تھی۔

"یہ صوفہ یہاں کر دیں اور ٹیبل سامنے رکھ دیں۔"

دادی جان اور مریم اپنا ناشتہ کر چکے تھے۔ اب عمران چاچا ڈائننگ پر ناشتہ رکھے نور کو بلانے گئے تھے۔

نور نیچے آئی اور ملازموں کی یوں رَش دیکھ کر منہ بسورنے لگی۔ پھر یاد آیا کہ آج تو سکندر تایا نے آنا تھا اور ساتھ ان کی فیملی بھی۔ اس نے ابھی بھی رات کا لباس پہنا تھا، بس منہ دھلا دھلا یا لگتا تھا۔

نیچے اترتے ہی دادی جان کے پیچھے سے گلے لگی اور سلام کیا۔ دادی جان نے پیار سے اس کے نرم دودھیا گالوں کو چھوا۔ ہاتھ میں پکڑی سوئی گوٹ میں باہم پھنسائی اور بنے ہوئے سویٹر سمیت سامنے پڑی ٹوکری میں ڈال دی۔ مریم ویسے ہی کاموں میں مصروف تھی۔

New Era Magazine

"وعلیکم اسلام! اٹھ گئی؟ نیند اچھی آئی؟"

"ہوں، بہت اچھی! تو آج آپ کے بیٹے اور چہیتے پوتے آرہے ہیں، اسی لئے تو گال اتنے سوجے ہوئے ہیں، ہوں؟"

"میرے گال ایسے ہی پھولے سوجے ہوتے ہیں، یہ خوبصورتی کی نشانی ہے، تم نے دیکھا ابھی ہے، ہونہہ!" ساتھ ہی نور کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

نور مسکراتے ہوئے پیچھے ہوئی اور ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے بریڈ سلائس اور مکھن اور جیم تیار پڑا تھا۔

"نور! اپنی تایا اور تائی کے سامنے اچھے سے بیٹھنا اور زیادہ باتیں نہیں کرنا اور حبیب اور عثمان سے بھی زیادہ فری مت ہونا۔" (آہ! بچپن والی پرانی عادت۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے کا سارا "تنبیہہ نامہ" سنانا)

اس نے سر جھٹکا اور بریڈ پر مکھن تھوپنے لگی۔

"جی جی! یاد ہے مجھے سارے رولز۔ مگر تایا جان کوئی پہلی بار تھوڑی آرہے ہیں؟ ہر ماہ آتے ہیں۔" اسے اعتراض تھا۔

"ہاں! مگر اس بار ان کے ساتھ ان کی فیملی بھی ہے۔ اور وہ سب سالوں بعد آرہے ہیں۔ ان پر اپنا اچھا تاثر دینا۔ سمجھی؟"

اسنے اثبا میں سر ہلایا۔ مگر دراصل اس کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی تھی۔ وہ ناشتہ کرنے لگی مگر ذہن اب بھی اس خط پر اٹکا ہوا تھا، جسے وہ اب تک ڈی کوڈ نہیں کر سکی تھی۔

☆☆☆

چند گھنٹے آگے چلتے ہیں۔۔

نورا اپنے کمرے کی بیلکونی میں کھڑی تھی۔ صبح کے بر عکس، اس کا حلیہ کافی درست تھا۔ اس نے سیاہ شارٹ فراک کے نیچے جینز پہن رکھی تھی اور گلے میں سیاہ سکارف لے رکھا تھا۔ یہ دادی جان کا خاص حکم تھا کہ اب ان کے سامنے اچھے سے ڈوپٹہ لئے آنا ہے۔

باہر کار پورچ کا سارا منظر اسے وہاں سے دِکھ رہا تھا۔ دو بڑی گاڑیاں گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھیں۔ جن میں ایک تو اُنہی کی تھی جبکہ دوسری غیر شناسا تھی، جس میں یقیناً وہ لوگ تھے۔

اسے دِل ہی دِل میں عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ اتنے سالوں بعد حبیب سے اور عثمان بھائی سے ملنا۔

.بیلکونی کا منظر ہواؤں میں تحلیل ہوا اور سامنے ایک اور منظر لہرایا۔ ایک یاد۔ یادِ ماضی!

New Era Magazine

"تم لوگ یہاں سے کیوں جارہے ہو؟" چھوٹی معصوم دودھیا گالوں والی نور حبیب کے ساتھ پورچ کی سیڑھیوں میں بیٹھی، منہ مٹھیوں میں دیے اداسی سے پوچھ رہی تھی۔ عمر 7 سال لگتی تھی۔

"ممی نے کہا ہے کہ ڈیڈ کا ٹرانسفر ہو گیا ہے امریکہ میں!" موٹے سرخ گالوں والا حبیب بولا، جو قریباً 10 سال کا تھا، مگر قد کاٹھ سے چھوٹا لگتا تھا۔

"واپس کب آو گے؟" ایک اور سوال۔

"پتہ نہیں! ممی نے کہا ہے کہ بس چند ماہ بعد آجائیں گے۔" حبیب کا دل بری طرح دکھ رہا تھا۔

"حبیب! میں نے رات کو سکندر تایا، غفار چچا اور دادی جان کو لڑتے سنا تھا۔"

حبیب زرا اس کے قریب ہوا اور کان میں کہا۔ "میں نے بھی!"

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھے، پھر واپس نیچے دیکھنے لگے، اداسی سے۔

"ہاں یاد آیا! میں نے تمہے کچھ دینا تھا۔" حبیب کی سیاہ آنکھیں کچھ یاد آنے پر چوڑی ہوئیں۔

"کیا؟" نور نے اپنی سنہری آنکھیں سکوڑے پوچھا۔

منظر تحلیل ہوا۔۔یادِ ماضی جیسے ہوا میں پھیلیں۔۔داہنی آنکھ کے کنارے سے پانی کی بوند ہٹائی۔

اس نے دیکھا وہ سب پورچ کے زینے چڑھ کر اندر آرہے ہیں۔وہ پیچھے ہٹ کر نیچے کو دوڑی۔نیچے آؤ تو مریم اور دادی جان مہمانوں کے استقبال میں کھڑے ہیں۔نور کو زینے پھلانگتے دیکھ کر مریم نے بے اختیار آنکھیں نکالیں۔وہ بھی ان کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔چہرے پر وہی مسکراہٹ!

پہلے سکندر تایا اندر داخل ہوئے(تینوں کو ساتھ کھڑا دیکھے مسکرائے)اور آگے بڑھ کر دادی جان کو گلے لگے،پھر مریم اور نور دونوں کو ہمہ وقت گلے لگایا۔ساتھ ہی زرینہ تائی اندر داخل ہوئیں(ان کے چہرے پر بھی وہی پر خلوص مسکراہٹ در آئی)،وہ پہلے دادی جان کے گلے لگیں اور کچھ دیر تک دونوں ویسی ہی رہیں۔پھر باری باری نور اور مریم کو گلے لگایا اور گال چومے۔پھر ویسے ہی عثمان اور حبیب بھی داخل ہوئے۔

عثمان نے جینز کے اوپر سویٹر پہن رکھا تھا جبکہ حبیب نے جینز پر سیاہ سویٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔دونوں پہلے دادی جان سے ملے پھر چاروں نے سلام ایکسچینج کیئے۔

لمحے بھر کو نور اور حبیب کی نظریں ملیں۔مگر وہ بس ایک لمحہ ہی تھا۔اور لمحہ گزر گیا۔

بھوری آنکھوں اور گندمی رنگ والا عثمان مسلسل مسکرارہا تھا جبکہ سیاہ آنکھوں اور سفید رنگت والے حبیب کا چہرا قدرے سپاٹ تھا۔سب آگے لاؤنج میں بڑھ گئے اور نور وہیں اکیلی کھڑی رہی۔

(یہ دونوں کتنے بدلے ہوئے لگتے ہیں تصویروں میں،اور اصل میں کتنے مختلف!)

چہرے پر مسکراہٹ در آئی پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ آئی۔

کھانے تک سب یونہی خوش گپیوں میں مصروف رہے،ادھر ادھر کی باتیں،پرانی یادیں،گھر میں تبدیلیاں۔پھر بیچ بیچ میں تھوڑا بہت زرینہ تائی بھی بول لیتیں۔وہ ہمیشہ سے کم گو تھیں اور حبیب بھی ان پر گیا تھا۔

نوران کی باتوں میں ذرا دلچسبی نہ تھی مگر دادی جان کی ہدایات پر اسے تب تک وہیں بیٹھنا تھا،جب تک کہ سب اٹھ نہ جائیں۔منہ بسورتی وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ اس نے حبیب کو اپنی طرف دیکھتے پایا۔مگر جونہی وہ اسے دیکھی،اس کی نظروں کو دوسری طرف پایا۔

مریم نے ملازموں کے ساتھ مل کر کھانا لگادیا تھا اور اب وہ سب کو بلارہی تھی۔نور موقع دیکھتے ہی وہاں سے رفو چکر ہونے لگی مگر مریم آنکھیں نکالتے،اس کا بازو پکڑے اپنے ساتھ لے گئی۔

New Era Magazine

☆☆☆

اڑتالیس(48)برس قبل:

یہ 1971ء کی بات ہے۔قطر نے نئی نئی آزادی حاصل کی تھی۔یہ دوحہ کا ہی زکر ہے۔

بارش کے چند گھنٹوں بعد آسمان پر سرخی واضع تھی۔ہلکی ہوا چل رہی تھی مگر گرمی پھر بھی ویسی ہی تھی۔کھجور کے درخت کی شاخیں ہوا کے باعث ہلکی ہلکی تھرتھرا رہی تھیں۔

تبھی سنسان صحرا جیسی مٹّی میں جنبش ہوئی۔اسی اڑتی مٹی پر سے کوئی پاؤں رکھے آگے کو دوڑا۔قد میں چھوٹا،وہ کوئی بچہ تھا۔روایتی شلوار قمیض پہنے،وہ اندھا دھن دوڑے جا رہا تھا۔پھر پاؤں مڑنے کے باعث لڑھک کر اوندھے منہ گرا۔جلدی سے اٹھ کر پیچھے دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔نہ بندہ،نہ بندے کی زات!

بچے کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا اور اس کی سرمئی رنگ قمیض بھی بھیگی تھی۔لمحے بھر کو سانس لیا،پھر اٹھا اور راستے کے کنارے پر بنے درختوں کے جھنڈ پیچ جا بیٹھا۔وہ جو پھولے سانس کے ساتھ بازو چہرے پر ٹکائے پسینہ صاف کر رہا تھا،اس کی نظروں کے سامنے ایک منظر لہرایا۔وہ منظر جو وہ کبھی تصوّر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا،وہ آج دیکھ آیا

تھا۔قریب جاؤ تو دیکھو،اس کی آنکھوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔اس پانی کے اندر جاؤ تو سفید روشنی سی نظر آتی ہے۔پھر اس روشنی میں سے ایک منظر واضح ہونے لگتا ہے۔۔ دروازے کی اوٹ میں ایک سرمئی قمیض والا بچّہ کھڑا،منہ پیچھے کئے اندر جھانک رہا تھا۔

"تمہارا بچّہ کوئی نارمل بچہ نہیں ہے،وہ پاگل ہے،اس کا دماغ ٹھیک سے کام بھی نہیں کرتا۔جب وہ لوگ تمہارے بچّے کا علاج کرنے اسے لے جانا چاہ رہے ہیں تو تم راستے میں کیوں روڑے اٹکا رہی ہو؟"خالص عربی میں ایک پختہ عمر آدمی چلاّ چلاّ کر ایک عورت کو کہہ رہا تھا۔

"نہیں،میرا بچّہ بلکل ٹھیک ہے بلکہ وہ کوئی عام بچّہ نہیں ہے۔اس میں 'خاصیت' ہے۔(چہرے پر بے اختیار آنسو ٹپکے)میں نے ان گوروں کا بھیجا ہوا خط پڑھا تھا۔اس میں انہوں نے میرے بچے کو بیچنے کی بڑی قیمت لگائی تھی۔لالچی ہو گئے ہو نہ تم؟(باہر کھڑے بچے کے چہرے پر بہت سارے آنسو ایک ساتھ برسے)سوتیلا بیٹا جو ہے،ہے نا؟"آدمی کے ماتھے سے شکنیں غائب ہوئیں۔اس نے ایک تھپّڑ مار کر عورت کو گرا دیا۔

"وہ لوگ بس آنے ہی والے ہوں گے، اور وہ۔۔اسے۔۔۔لے۔۔جائیں ۔۔گے۔" چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"میرے بیٹے کو لے جانے سے پہلے انکو مجھے اس دنیا سے رخصت کرنا ہو گا۔" وہ چلاّ کر بولی۔ بچہ دبی آواز کے ساتھ روئے جا رہا تھا۔

"چپ رہو!" آدمی نے عورت کا سر پکڑ کر بے اختیار دیوار سے ٹکرا دی۔ عورت کا سر پھٹ گا مگر جتنے زور سے ٹکرا دی گئی تھی، صاف ظاہر تھا کہ اب شاید ہی زندہ بچ جائے۔ عورت بے اختیار لڑھک کر گری۔ چہرہ دروازے کی اوٹ پر کھڑے بچے کی طرف تھا جو اس کے گرنے کے باعث ڈر کر ماں کے پاس بھاگ آیا تھا۔ آدمی ایک جھٹکے سے پیچھے کو ہوا۔

"بھاگ۔۔جاؤ۔۔واپس۔۔مت۔۔" اور جیسے موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کر گیا تھا۔ آخری الفاظ جیسے منہ میں ہی رہ گئے۔

بچّہ طیش میں مڑا اور سوتیلے باپ کو شولہ وار نظروں سے دیکھا۔ مگر کچھ کہے بغیر وہاں سے بھاگا۔ باپ تیزی سے پیچھے کو بھاگا مگر بچے نے سامنے پڑی میز نیچے گرا کر اس کے راستے میں رکاوٹ ڈال دی۔ پھر بھاگا یوں کہ پیچھے کی کوئی خبر نہ ہو۔ یوں کہ آگے کا کوئی اندازہ نہ ہو۔ دائیں، بائیں کی تشویش سے بے خبر۔ بس اندھا دھن!

آنکھ سے ایک اور آنسو ٹپکا اور گال پر اٹکے اس آنسو کو بھی بہا لے گیا۔ یہ یاد بھی گو مٹ گئی۔ مناظر ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ اندھیرا پھر نظر آنے لگا ہر طرف مگر جھاڑیاں اور درخت اس کے راضدار بنے رہے اور اپنے اندر اس کو چھپا لیا۔

وہ نہیں جانتا تھا اب آگے کیا کرنا ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ مگر بس اب ایک مقصد تھا دماغ میں۔۔ اسے کیسے اور کب پورا کرنا ہے یہ اب اسے وقت بتائے گا۔

عَبدالرّزاق نے اب اپنا انتقام لینا تھا۔۔

☆☆☆

جنوری کے پہلے عشرے کی نازک ٹھنڈ کی اس دوپہر کو، بادلوں نے چھپار کھا تھا۔ ہر طرف بادلوں اور ٹھنڈ کا راج تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کے باعث ٹھنڈ ہڈیوں میں درد کرتی تھی۔

تبھی نور العرش کی دادی جان کے کمرے میں ہیٹر کے باعث ماحول گرم تھا۔ دادی جان اور مریم پلنگ پر، جبکہ سکندر، زرینہ اور عثمان سامنے صوفہ پر بیٹھے تھے۔ آگے میز پر چائے اور بسکٹ پڑے تھے۔ دروازہ بند تھا۔

تبھی دروازے کے باہر جھانکو تو نور کان لگائے کھڑی کچھ سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ پورا دھیان دروازے کے اندر ہونے والی خفیہ گفتگو پر لگائے، وہ آنکھیں میچے فوکس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"شش، چپ کرو!" نور نے ٹوکا۔ پھر آنکھیں کھلیں اور چہرے پر ایک سایہ لہرایا۔ کمر سیدھے کر کے، پیچھے مڑی تو حبیب کو کھڑے پایا۔ وہ ہاتھ باندھے اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا، ویسی ہی جیسے وہ بچپن میں اسے کسی کاروائی میں پکڑے دیکھتا تھا۔

"تم چھپ چھپ کر ان کی باتیں سن رہی ہو؟" آنکھیں سکیڑے پوچھا۔

"نن۔۔ نہیں! میں تو بس سننا چاہ رہی تھی کہ اندر کیا بات ہو رہی ہے۔"

"مگر چھپ کر!" مسکراتے ہوئے تصحیح کی۔ نور کی پیشانی پر بے اختیار بل پڑے۔ (اس کی اتنی ہمت!)

"تمھے کیا ہے؟ تم بھی تو یہاں کھڑے سن رہے تھے؟" تبھی دروازہ کھلا اور مریم مسکراتے ہوئے باہر آئی۔ سیاہ پاجامے پر میرون قمیض اور ڈوپٹا اوڑھے وہ دمک سی رہی تھی۔

"تم دونوں یہاں؟"ان کو دیکھتے، مسکراہٹ سمٹی۔

"جی!نور چھپ کر آپ لوگوں کی باتیں سن رہی تھی اور میں عثمان کو بلانے آیا تھا،اس کا موبائل کب سے بج رہا تھا۔"موبائل کی ٹون بجی اور وہ جلدی سے کمرے کی طرف بڑھا۔اور نور کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

"یہ بکواس۔۔"مریم نے غصّے بھری نظر اس پر ڈالی۔وہ خاموش ہو گئی۔

"بس کچھ بھی ہو جائے،تم نے ہر کسی کے آگے اپنا امپریشن خراب کرنا ہے!"کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور نور شرمندہ سی وہیں کھڑی رہ گئی۔(یہ میرے ہاتھوں مرے گا!!)

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی۔بادل اب بھی سیاہ آسمان پر منڈلا رہے تھے۔گھر کی تمام بتیاں بجھی تھیں سوائے مریم کے کمرے کے۔نور کے بلند بانگ قہقوں کی آوازیں کمرے کے باہر بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"اللہ!مجھے یقین نہیں آرہا۔تم(اینگلی سے اُس کی طرف اشارہ کیا)اور عثمان بھائی(اُسی انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا)"پھر قہقہہ مارے ہنسنے لگی۔"سکندر تایا نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟"

"نور!بس اب زیادہ ہنسو مت۔اس میں کیا غلط ہے؟"اس نے مرا مانا تھا۔

"نہیں،غلط توکچھ بھی نہیں ہے۔لیکن تم اور عثمان بھائی۔۔کوئی میچ ہی نہیں ہے۔" ہنسنے لگی۔

"ہونہہ! مجھے نیند آرہی ہے۔اب جاؤ یہاں سے۔"منہ پر کمبل ڈال لیا،وہ اب اس کی باتوں سے اکتا گئی تھی۔

نور ویسے ہی ہنسنے لگی۔پھر اس کے موبائل پر ایک ٹون بج جو عموماً میل آنے پر بجتی ہے۔اس نے میل کھولی۔

کی طرف سے تھی

American Sociological۔

Association یعنی ASA وہ

دنیا کی سب سے بڑی سوشیولوجی آرگانائزیشن ہے جو دنیا بھر میں سوشیولوجی کو پروموٹ کررہی ہے۔(American Sociological

Association)

اس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔اتنی بڑی آرگانائزیشن اسے کیوں میل کررہی ہے؟اس نے جلدی جلدی میل کھولی۔

"صبح بخیر!

New Era Magazine

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔

یہ میل آپ کو "اے۔ایس۔اے" کے ہیڈ آفس کی جانب سے بھیجی گئی ہے۔سوشیو لوجی کی سٹوڈنٹ ہونے کے ناطے،آپ یقیناًہم سے واقف ہونگی۔اے-ایس-اے دنیا کی سب سے بڑی سوشیولوجیکل آرگانائزیشن ہے۔ہمارا بنیادی مقصد سوشیولوجی کو فروغ دیناہے اور آج ہم دنیا بھر میں سوشیولوجی کا ایک واضع اور معروف چہرہ ہیں۔ہم کئی برسوں سے دنیا بھر میں سماجیات کو پروموٹ کر رہے ہیں اور بلا شبہ کرتے رہیں گے۔

چونکہ ہم دنیا بھر میں اب اپنی برانچز کھول رہے ہیں،سواب ہم نے فیصلہ کیاہے کہ ہم کچھ ہی مہینوں میں اپنی ایک برانچ 'دوحہ'میں بھی کھلوالیں جس سے ہمیں وہاں بھی اپنے موٹو پہنچانے میں آسانی ہو گی۔اس سلسلے میں ہم وہاں کے لئے سٹاف ڈھونڈ رہے ہیں۔ہمیں چند فریشرز درکار ہیں۔

آپکا اکیڈمک ریکارڈ دیکھنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ آپ اس جاب کو ڈیسروکرتی ہیں۔اگر آپ کو اس سلسلے میں کوئی دکت نہ ہو تو نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں اور فارم فل کریں۔

شکریہ

اے۔ایس۔اے"

نور تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہی تھی۔اس نے خوشی کے مارے مریم کو ہلا کر اٹھانا چاہا، مگر وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔وہ جلدی سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔

(کیا اچھا دن ہے آج!)

اپنے بستر پر بیٹھتے ہی اس نے دوبار پھر وہی میل پڑی کہ کہیں فیک تو نہیں مگر خوشی اتنی تھی کہ پڑھا بھی نہیں جا رہا تھا۔اس نے جلدی سے نیچے بنے لنک پر کلک کیا۔ایک فارم سا ڈاؤنلوڈ ہوا۔اس نے جلدی سے کھولا مگر وہ خالی تھا۔

اس نے برا سا منہ بنایا اور فارم دوبارہ بھیجنے کی درخواست کی۔

لمحے بھر کو دل میں خیال آیا کہ جا کر مریم کو بتائے، مگر پھر اس گمان کہ تحت کہ ابھی تو صرف میل آئی ہے اور فارم بھی فل نہیں ہوا، واپس بیٹھ گئی۔(اللہ! اف! اف! اف!

نور قطر جا رہی ہے۔کیا بات ہے!)

پھر اسے اپنا یونی کی اسائنمنٹ یاد آگئی اور وہ واپس منہ بنائے بیٹھ گئی۔جمعہ میں صرف دو دن باقی تھے۔

☆☆☆

پچھلے دن کی ہلکی بارش کے بعد آج اسلام آباد میں سورج کا راج تھا۔سارا شہر دھوپ میں نہایا دھویا تھا۔

شہر بھر میں ناشتہ کب کا ختم ہو چکا تھا۔اور روز مرّہ کے کاموں کا باقعدہ آغاز ہو چکا تھا۔

نور اترے چہرے کے ساتھ باغیچے اور پورچ کی مشترکہ سیڑھیوں پر بیٹھی تھی جہاں وہ صرف تب بیٹھا کرتی تھی جب وہ خفہ ہوتی تھی۔رخ باغیچے کی طرف تھا۔ساتھ ہی کاغذوں کا ایک ڈھیر،لیپ ٹاپ پین اور نوٹ پیڈ وغیرہ پڑا تھا۔منہ، ہتھیلی پر ٹکائے،وہ اداس چہرے ساتھ کسی سوچ میں گم تھی۔

"سنا تھا بچپن کی عادتیں کبھی نہیں بدلتیں۔آج دیکھ بھی لیا۔"سیاہ ٹراؤزر کے اوپر ہڈی پہنے جیبوں میں ہاتھ ڈالے حبیب اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ نظریں سامنے باغیچے پر جمی تھی۔نور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کوئی پرابلم ہے کیا؟تم بچپن میں بھی یہاں صرف تب بیٹھتی تھی جب کوئی مسلئہ ہوتا تھا۔"ساتھ ہی آ بیٹھا۔

"تم سے مطلب؟"اکھڑ لہجے میں بولا۔

"مطلب واقعی کوئی مسلئہ ہے۔تم میرے ساتھ شئیر کر سکتی ہو۔"مسکراتے ہوئے کہا۔

"نیور! تم نہیں کر سکو گے۔" اداس لہجے میں کہا۔

"ٹرائے می!" سر گوشی سی کرتے اٹھنے لگا۔ نور یک دم بولنے لگی تو وہ رک گیا۔

"مجھے ایک پراجکٹ ملا ہے۔ مگر اس کا ٹاپک تھوڑا آؤٹ ہے۔ مجھے اس بارے میں کوئی آئڈیا نہیں ہے اور دو دن بعد سبمیٹ کروانا ہے۔" پھر چہرہ اداسی سے جھکا لیا۔ حبیب واپس بیٹھ گیا۔

"ہوں، دِس ساؤنڈز سیڈ!" پھر رکا۔ "ویسے ٹاپک کیا ہے؟"

"اس نے جلدی سے ٹاپک کا نام لیا۔

Sociology of Dark Web Uders

"ہوں! ویسے مجھے اس بارے میں زیادہ علم نہیں ہے بَٹ شاید میں تمہاری تھوڑی بہت ہیلپ ہی کر دوں۔" نور نے فوراً پیڈ اٹھا لیا۔

"نور! ڈارک ویب ان ویب سائٹس کو کہتے ہیں جو عام انسان کی نظر سے چھپی ہوتی ہیں۔ انٹرنیٹ کی دو تہہ ہوتی ہیں جیسے کہ

تہہ ہوتی ہیں۔" پھر رکا۔ وہ نوٹ کرتی گئی۔ (Earth) ہماری ارتھ

"ایک تو سرفیس ویب ہوتی ہے جو عموماً ہم استعمال کرتے ہیں، جس میں عام سوشل میڈیا یا ویب سائٹس ہوتی ہیں۔ مگر یہ صرف انٹرنیٹ یا ویب کا 4٪ ہی حصّہ ہوتا ہے۔

باقی 96٪ حصّہ ڈیپ ویب پر مشتمل ہے، جس میں ڈارک ویب بھی شامل ہے۔یہاں تک رسائی کسی عام انسان کے لئے،عام براؤزرز سے ناممکن ہے۔اس کے لئے خاص براؤزرز استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے "ٹور براؤزر"

نور غور سے اسے سن رہی تھی

)(TOR Browser۔

"یہاں ڈارک ویب میں سارے اللیگل کام کئے جاتے ہیں، جیسے ڈرگز بیچنا، غیر قانونی ادوایات اور اسلحہ بیچنا، انسانوں کا سودا کرنا،اور غیر کانونی طور پر ہیکنگ یا قتل کروانا وغیرہ۔"نور کی آنکھیں جیسے حیرانی سے کھل ہی گئیں مگر حبیب سنجیدگی سے بولتا رہا۔

"یہاں کے یوزرز کی کوئی آئڈنٹیٹی نہیں ہوتی۔یہاں سب لوگ حکومت کی نظروں سے چھپ کر یہ سب کام کرتے ہیں، کیونکہ ڈارک ویب یوزر کو پکڑے جانے پر شدید سزا اور جرمانہ کیا جاتا ہے۔اور ایک بار جو کوئی اس دلدل میں پھنس جائے،وہ دوبارہ وہاں سے نہیں نکل سکتا۔یہاں کے تمام یوزرز زیادہ تر کرمنل مائنڈڈ ہوتے ہیں۔"نور یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

نور پیڈ پر لکھ رہی تھی۔(نو آئیڈینٹیٹی۔اللیگل۔جرمانہ۔کرمنل مائنڈڈ)

"کیا اتنا کافی ہے؟"نور جیسے کسی خیال سے نکلی۔

"ہاں کافی ہے۔مجھے کافی پوائنٹس مل گئے ہیں۔ویسے تمہیں یہ سب کیسے پتہ ؟"مسکرا کر پوچھا۔اس کا موڈ اب قدرے بہتر ہو گیا تھا۔

"ایکچوئلی! میرے پاس اک امریکیوں کا بنایا ہوا آلہ ہے، جسے موبائل کہتے ہیں۔ار میں اس پر فیز بک اور نسٹا گرام کے بجائے گوگل یوز کرتا ہوں جو مجھے دنیا بھر کی معلومات لا کر دیتا ہے۔"وہ ہنس دی۔

"تھینک یو حبیب!"جلدی سے بولی۔

"مینشن ناٹ ڈوڈ! ویسے تم ایک دفعہ لائبریری وزٹ کر لو،ہو سکتا ہے تمہیں وہاں بھی کچھ مل ہی جائے۔"مسکراتے ہوئے بولا اور کہہ کر اٹھ گیا۔

نور مڑ کر اسے جاتا دیکھتی رہی۔پھر مڑی اور کسی خیال کے تحت آنکھیں سکیڑ لیں۔

(کیوں نہ میں ایک دفعہ لائبریری بھی وزٹ کر ہی لوں۔۔۔شاید وہاں بھی مجھے کچھ ریلیٹڈ بک مل ہی جائے)

پھر زہن سے خیال جھٹکا اور جلدی سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور انگلیاں تیز تیز چلنے لگیں۔

☆☆☆

اگلی دوپہر ٹھنڈ ہلکی بڑھ گئی تھی۔مری میں برف باری کے باعث اسلام آباد میں بھی ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے رخ کیا تھا۔شہر بھر کے لوگ دل ہی دل میں یہی دعا کر رہے تھے کہ ایسی ٹھنڈ رمضان میں کیوں نہیں ہوتی؟بشرِ لا مشکور!

نور اس وقت یونی کی لائبریری میں ادھر ادھر گھومے،اس ٹاپک کی کتاب ڈھونڈے جا رہی تھی۔ہاتھ میں پہلے سے دو کتابیں تھامے وہ دوسری بار ساری شیلفز چھان رہی تھی۔وہاں مشکل سے دس طلباء ہونگے۔سردیوں کی چھٹیوں کے باعث لوگ کم ہی یونی کا رخ کرتے تھے۔

اس نے ایک تھکی ہوئی آہ بھری اور آگے بڑھنے لگی۔

(اتنی بڑی لائبریری اور اس میں سوشیولوجی کا سرف ایک سیکشن۔چچ چچ!)

تبھی گزرتے گزرتے،اس کے سر پر ایک بھاری کتاب دھرام سے گری۔(آؤچ!)

ایک لڑکی عربی کے سیکشن سے لاپرواہی سے کتابیں نکال نکال کر دیکھ رہی تھی اور ایک کتاب نور کے سر پر کر پڑی۔

"نظر نہیں آتا تمہیں؟"نور بھوکی شیرنی کی طرح چلائی۔لائبریرین نے پیچھے سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"سوری غلطی سے گر گئی۔"لڑکی نور کی بگڑی شکل دیکھ کر جلدی سے معزرت کر کے آگے پیچھے ہو گئی۔

نور نے "ہونہہ بد تمیض!" کہہ کر غصّہ ٹھنڈا کیا اور اپنے ہاتھ میں موجود دونوں کتابیں بازو میں پکڑ کر زمین سے کتاب اٹھائی۔ کتاب پرانی لگتی تھی۔ جلد ضعیف ہو چکی تھی اور اوپر قدرے دھول لگی تھی۔ پھوک مار کر دھول اڑائی تو کتاب کا نام واضع ہوا۔

" Bu Darya: The Devil of the Sea بودریا: شیطان البحر۔۔۔"

نور نے آنکھیں مشکوک انداز میں سکیڑیں۔ پھر کتاب پر مصنف کا نام ڈھونڈنا چاہا۔ پہلے کَوَر پر، پھر پہلے صفحے پر، بیچ بیچ میں صفحات پلٹائے مگر جہاں جہاں مصنف کا نا لکھا ہو سکتا تھا۔ وہ جگہ پھاڑی گئی تھی۔ لمحے بھر کو سوچا، پھر تینوں کتابیں اٹھائے وہ کاؤنٹر پر آگئی اور اِشو کروالیں۔ دیکھنے میں وہ کوئی ہسٹری فکشن لگتی تھی۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر وہ مسکراتے ہوئے کار سے اتری۔ موسم اچھا تو موڈ بھی اچھا!

New Era Magazine

پورچ کے زینے چڑھ کر اندر جانے لگی مگر کچھ آوازوں نے اس کا دھیان کھینچا۔وہ آوازیں دادی جان کے کمرے سے آرہی تھیں۔جو پورچ سے اندر داخل ہوتے ہی بلکل سامنے تھا۔

قریب جانے پر اسے اندازہ ہوا،وہ آوازیں نہیں تھیں بلکہ صرف ایک آواز تھی۔

سکندر تایا کی آواز۔وہ چلا رہے تھے۔اس نے تھوڑا اور قریب ہو کر کان لگایا۔

"اب وہ کیا چاہتی ہے؟اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی اسے چین نہیں آیا۔سارے خاندان کو مصیبتوں میں ڈالنے کے بعد بھی اسے آرام نہیں ہے؟"

"امیّ!آپ اسے کیوں نہیں سمجھاتیں؟"یہ زرینہ تائی کی آواز تھی۔

"میں اسے بہت بار سمجھا چکی ہوں۔مگر وہ اسی بات پر بضد ہے کہ اسے اپنا حصّہ اس گھر سے چاہیے۔میں اسے بہت سمجھا چکی۔۔"

"پہلے بھی اسی کی ضد کے باعث ہم نے بھائی اور بھابھی کو کھویا اور دونوں بچیاں ہماری یتیم۔۔"نور ایک جھٹکے سے پیچھے کو ہوئی۔

یہ سب کیا؟پہلے جتنی بھی باتیں ہوئیں،اسے کچھ یاد نہ رہا۔اس کا دماغ بس اس آخری بات پر اٹک گیا۔یہ یقیناً کوئی مزاق نہ تھا!کیا وہ حلیمہ پھوپھو؟اسے تو بتایا گیا تھا کہ وہ

New Era Magazine

بس ایک حادثہاتی کار ایکسڈنٹ۔۔ناجانے ان لوگوں نے اسے اور کتنے کتنے جھوٹ بول رکھے ہیں؟اس کی آنکھیں بھر آئیں۔اس کا دل بھی بھر آیا۔

وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف گئی اور اندر گھستے ہی کتابیں اور بیگ بیڈ پر پھینکا اور دروازے پر کنڈی لگائے،اس کے ساتھ ٹک کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ آہستہ نیچے گرتی سی گئی۔آنسو جا بجا اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رونے لگی۔

کئی دیر تک وہ وہیں بیٹھی رہی۔پھر کسی خیال کے تحت اٹھی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔اندر جاتے ہی اس نے پانی کا نلکا کھول لیا۔اور منہ پر یکے بعد دیگرے ٹھنڈے پانی کے چھٹّے مارے۔ٹھنڈ کے باوجود اسے وہ پانی ٹھنڈا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔اسے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔دل پر جس احساس کا غلبہ تھا،وہ صرف غم تھا،تکلیف تھی، دکھ سا تھا،کوئی کمی سی تھی۔۔

پھر منہ خشک کر کے باہر نکلی اور بیڈ کے کنارے پر آبیٹھی۔اور گھٹنوں میں سر دئے وہیں بیٹھی رہی۔

کئی لمحے سرکے۔۔۔

کئی پہر بیتے۔۔۔

اس کے اوپر جیسے غنودگی سی طاری تھی۔ مگر اس کی نیند کی چادر کو دروازے کی لگاتار دستک نے چیر ڈالا۔ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔

"کون ہے؟"اس نے اکتاہٹ سے پوچھا۔

"میں ہوں بیٹا، عمران! نیچے کھانے پر سب آپکا انتظار کر رہے ہیں۔" خانساماں نے باہر سے آواز دی۔

کھانہ؟ کیا وہ اتنی دیر سے ایسے ہی بیٹھی ہے؟ پھر نظر اٹھا کر گھڑی دیکھی۔ گھڑی 9 بجا رہی تھی۔

"جی میں آرہی ہوں۔" آنکھیں مسلتے ہوئے کہا اور منہ دھونے اٹھ گئی۔

آہ! انسوؤں کے بعد آنے والی سریلی میٹھی سی نیند۔ باہر نکل کر اپنے آپکو کمپوز کیا کہ نیچے کسی کو اسکا چہرہ دیکھ کر کچھ اندازہ نہ ہو۔ پھر بتّی بجھا کر نکل گئ۔

☆☆☆

نیچے کھانے پر اس کا انتضار کیا جارہا تھا۔سب بیٹھے اس کا انتضار کر رہے تھے۔اسے دیکھ کر سب کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔

"کہاں تھی نور تم؟ کب سے انتضار کر رہے ہیں سب۔! مریم اسے دیکھتے ہی منہ بنا کر بولیں۔

"کوئی بات نہیں! چلو نور تم شروع کرو!" سکندر تایا مسکرا کر بولے۔ یہاں کھانہ سب سے پہلے سب سے چھوٹا فرد شروع کرتا تھا۔

نور بغیر مسکرائے کرسی کھینچے بیٹھی اور چاول ڈالنے لگی۔

"مریم! عثمان اور حبیب گھر میں بیٹھ بیٹھ کر بور ہو گئے ہیں۔ تم کل انہیں کہیں باہر لے جانا۔" زرینہ دھیمے لہجے میں بولیں۔ پھر رکیں اور مریم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہاں کوئی فیسٹول وغیرہ نہیں ہوتا؟"

"نہیں، ہوتے ہیں مگر میں زیادہ نہیں جاتی۔ نور اکثر جاتی ہے، اسے پتہ ہو گا، نور؟" نور کو دیکھے آنکھوں سے کچھ اشارہ سا کیا۔

"جی! ہفتے کی رات کو نیو ائر پارٹی ہے۔" ایک بار بھی نظر نہیں اٹھائی۔ وہ جانتی تھی اگر نظریں اٹھائیں تو مریم اور دادی جان اس کی نظروں سے اس کی کیفیت بھانپ لیں گے۔ پھر بولی۔ "اگر کہیں تو چلے جائیں گے۔"

"ہاں بلکل! عثمان تو اکثر پارٹیز وغیرہ میں جاتا رہتا ہے۔ حبیب کو بھی لے جانا حالانکہ وہ پارٹیز اوائڈ کرتا ہے لیکن پھر بھی۔ کیوں حبیب؟" حبیب کی طرف نظریں بڑھیں۔

"ججـ۔۔جی! میں دیکھوں گا۔" ساتھ ہی مسکرایا اور نظر اٹھا کر نور کی طرف دیکھا۔ وہ بھی دیکھی۔ بس لمحے بھر کو دونوں کی نظریں ملیں پھر وہ واپس نیچے دیکھنے لگی۔

دادی جان اور سکندر تایا خاموش ہی رہے۔ عثمان مسلسل امریکہ کے قصّہ کہانیاں سناتا رہا۔ جس پر مریم اور زرینہ تائی کے علاوہ کسی نے کوئی تبصرہ نہ کیا۔ نور کھانہ کھا کر چپ چاپ اٹھ کر باہر باغیچے میں واک کرنے چلی گئی۔ ساتھ ہی خانساماں کو کوفی لانے کو کہا۔ باقی سب ویسے ہی بیٹھے رہے اور کھانے کے بعد سویٹ ڈش کا مزہ لینے لگے۔

نور باہر باغیچے میں واک کر رہی تھی۔ سادہ سبز پراک کے اوپر موٹا اون کا سویٹر پہنے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔

باغیچے کو ڈھیروں لائٹوں نے روشن کر رکھا تھا مگر اسے اپنے اندر سیاہ آسمان سا اندھیرہ اترتا محسوس ہوا۔ جب بھی ماں باپ کا زکر سنتی، یوں ہی ڈھیروں ڈھیر آنسو اس کی آنکھوں سے امڈ آتے۔ خون کے رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو جائیں۔ دل سے نکلی ایک پوشیدہ ڈور اُن سے جڑی ہوتی ہے!

(اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ ایسا کیوں کرتا ہے؟ کیوں ہمیشہ اسے بہت کچھ دے کر صرف اسی کے لئے تڑپاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ چاہیے ہوتا ہے؟) اس نے سوچا۔

New Era Magazine

آہٹ پر اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور مڑی۔اسے لگا خانساماں کافی لیے آگیا۔ مگر پیچھے تو حبیب کھڑا تھا۔ہاتھ میں دو کافی کے مگ لئے۔ نور نے ایک مگ تھام لیا۔ ٹھنڈی رات میں گرم مگ کو پکڑے کافی ٹکور ملی تھی۔

"میں ابھی کسی سے بات کے موڈ میں نہیں ہوں۔" یہ حبیب کے لئے جانے کا اِن ڈائریکٹ اشارہ تھا۔

"اوہ کم آن! کیا میں اتنا برا دوست ہوں جس سے تم اپنا غم بھی شئیر نہ کر سکو؟" مگ منہ سے لگاتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب غم؟ مجھے کونسا غم ہے؟ اسائنمنٹ بھی تقریباً بنالی ہے۔" ساتھ ہی پھیکا سا مسکرائی۔ حبیب ہنوز اُسے مشکوک نظروں سے دیکھتا رہا۔

(اف اللہ! کاش ساری دنیا اندھی ہوتی) ساتھ ہی دل ہی دل میں اس کی جانے کی دعائیں کیں۔

"اوکے میں چلا ہی جاتا ہوں۔ شاید میری موجودگی سے تم غیر آرام دہ محسوس کررہی ہو۔" خفہ خفہ سا بول کر مڑنے لگا۔

نور جلدی سے بولی۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔(وہ رکا) مجھے ممی پاپا یاد آرہے ہیں!" دل ہی دل میں بہت سے آنسو اتارے۔اب وہ اس کے سامنے تھوڑی رو سکتی تھی۔

"ہوں! تو یہ بات ہے۔" پھر کافی کا ایک اور سپ لیا۔چہرہ سنجیدہ کر لیا۔

"حبیب کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اللہ تعالی ایسا کیوں کرتا ہے؟ہمیں چیزوں کے لئے کیوں تڑپاتا ہے؟وہ تو ہم سے بہت پیار کرتا ہے کیوں کرنے دیتا ہے؟ہماری زندگی آسان کیوں نہیں بناتا؟"(suffer) نہ؟پھر ہمیں سفر)

دونوں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہے تھے۔حبیب ہلکا سا بس مسکرایا تھا۔

"نور مجھے بھی بچپن میں بہت زیادہ اللہ تعالی سے شکوہ رہتا تھا۔لیکن پتا ہے پھر مجھے اپنے سارے شکووں کے تسلّی بخش جواب کیسے ملے؟"اس کی طرف دیکھا۔

"کیسے؟"وہ سامنے ہی دیکھتی رہی۔

"دیکھو جب ہمیں کسی سے شکوہ ہوتا ہے،تو ہم اپنا شکوہ اس سے بات کر کے ہی ختم کر سکتے ہیں نہ؟تو میں نے بھی ایسا ہی کیا۔میں نے بھی اللہ سے بات کی اور پتا ہے اللہ تعالی نے میرے سارے شکوے بھی دور کر دیے۔"

"حبیب آخر کوئی اللہ تعالی سے کیسے بات کر سکتا ہے؟"اسے تسلّی نہیں ہوئی تھی۔چہرے پر اب بھی اداسی تھی۔

فرماتے ہیں کہ اگر تمہے اللہ تعالی سے بات کرنی ہو تو نماز پڑھو اور اگر اللہ تعالی کی بات سننی ہو تو قرآن پڑھو" علی "حضرت

پھر رکا۔ "تم قرآن پڑھتی ہو نہ؟"

"ہا۔ہاں روز پڑھتی ہوں۔" حبیب کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لئے اس نے جھوٹ بولا۔

"ہوں گڈ! نور یہ زندگی اللہ تعالی نے امتحان کے طور پر دی ہے اپنے بندوں کو۔ مگر تمہے اس امتحان کو صبر سے پاس کرنا ہوگا۔ اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ 'بیشک! صبر کرنے والوں کو ان کا انعام ضرور ملتا ہے'، اور جب اللہ تعالی تمہے خود یہ بات کہہ رہے ہیں تو پھر انسان اتنا جلد باز کیوں ہے؟" پھر رکا اور مگ سے آخری گھونٹ بھرا۔

"اور جہاں تک بات سفر کرنے کی ہے تو وہ سفر نہیں ہوتا، آزمائش ہوتی ہے اور اللہ تعالی تو اپنے سب سے پیارے بندوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے نہ تا کہ وہ انہے آزما سکے کہ وہ اسکے ساتھ کتنے لائل ہیں۔"

"اور میں اس آزمائش کو کیسے پاس کروں؟" اس نے مگ لبوں سے لگایا۔ کافی اب تھوڑی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"صبر اور برداشت کر کے!" پھر رکا اور اپنے خالی مگ کو دیکھا۔ "لیکن چونکہ لڑکیاں بہت بے صبری ہوتی ہیں، اس لئے تم فیل ہو گئی ہو، چچ چچ!"

بغور ایک ایک بات سنتی ہوئی نور جیسے کسی خیال سے نکلی۔ ایک زوردار مکّا اس کے بازو پر رسید کیا۔ اپنی عادت سے مجبور!

"اور تم لڑکے بے حد بدتمیز ہوتے ہو!" منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"گڈ نائٹ!" کہہ کر حبیب ہنستے ہوئے زینے چڑھ کر اندر چلا گیا۔ اور وہ بس پیچھے کھڑی مسکراتی رہ گئی۔ اس نے دیکھا، بچپن کے برعکس حبیب کا قد کافی لمبا ہو گیا ہے۔

اس کے مگ میں اب بھی تھوڑی سی کافی بچی پڑی تھی۔ مگر ٹھنڈی تھی۔

آج بہت وقتوں بعد اسے جیسے کسی چیز پر تسلّی ہوئی تھی۔ حبیب سے بات کر کے اسے جیسے اطمینان سا آ گیا تھا۔

ایک سکون سا سکون تھا۔۔۔

☆☆☆

جمعہ کی صبح قدرے گرم اتری تھی۔ نور صبح سے یونی آئی ہوئی تھی۔ اسائمنٹ رات کو ہی مکمل کر کے سوئی تھی۔ رات کو حبیب سے بات کے بعد اسے کافی سکون تھا۔

وہ کارڈینیٹر کے آفس کے باہر بیٹھی انتظار کر رہی تھی۔اندر کچھ مہمان تھے اور جب تک وہ نہیں جاتے، کارڈینیٹر صاحب مصروف تھے۔اچانک اندر سے دو آدمی باہر نکلے۔دونوں پختہ عمر کے لگتے تھے۔نور نے سکھ کا سانس لیا۔

اپنی اسائمنٹ جمع کروانے کے بعد وہ یونہی باہر پارک میں آ بیٹھی۔اسے اپنی میل یاد آئی۔جلدی سے موبائل نکالا اور میل چیک کی مگر وہاں کوئی جواب نہیں آیا تھا۔موبائل واپس پرس میں ڈال دیا۔کیا وہ فیک تھی؟

پھر اسے حلیمہ پھوپھو کا خیال آیا۔وہ کیوں گھر بکوانا چاہتی تھیں۔سکندر تایا کی باتیں اس کے کان میں پھر سے سرگوشی کرنے لگیں۔

(کیا واقع ہی ممی پاپا کی دیتھ حلیمہ تائی کی وجہ سے ہوئی تھی یا پھر سکندر تایا نے یہ سب غصّہ میں کہہ دیا؟)

تبھی اس کی موبائل کی ٹون بجی۔اس نے پرس سے نکال کر کان سے لگایا۔

"ہیلو!"

کوئی جواب نہیں آیا۔

"ہیلو؟"

دوسری طرف خاموشی۔نور نے کان سے ہٹایا اور نمبر دیکھا۔نمبر سے پتہ لگتا تھا کہ باہر کا نمبر ہے۔ہو سکتا ہے کوئی رشتہ دار وغیرہ ہو۔اکثر رشتہ دار داد جان سے بات کرنے کیلئے نور یا مریم کے موبائل پر کال کرتے تھے۔وہ سر جھٹک کر اٹھنے لگی۔ٹون پھر بجی۔

ہیلو؟"اس بار لہجہ سخت تھا۔

"کون ہے؟اگر اب جواب نہ دیا تو نمبر بلاک کر دوں گی!"وہ غصّے سے بولی۔

مگر دوسری ظرف وہی خاموشی۔

نور نے کال کاٹ دی اور نمبر بلاک لسٹ میں ڈال دیا۔

(اب کرے کال۔ہونہہ!)

☆☆☆

گھر جا کر اس نے گاڑی کھڑی کی اور اندر داخل ہو گئی۔سامنے دادی جان کے کمرے کی بتّی بجھی تھی یعنی وہ لاؤنج میں بیٹھی ہیں لاؤنج کے قریب جاؤ تو وہاں سب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔اندر سے ساری آوزیں باآسانی باہر سنائی دے رہی تھیں۔اس نے سوچا اندر داخل ہو جائے پھر کچھ اور سوچا اور وہیں کھڑی باتیں سننے لگ گئی۔

"بیٹا وہاں جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟امریکہ میں اچھی بھلی جاب تو ہے تمہاری۔"یہ دادی جان تھیں۔

New Era Magazine

"نہیں دادی جان! ایسی اپر چونٹی روز روز نہیں ملتی۔اور صرف سال بھر کی ہی بات ہے، پھر پراجکٹ مکمل ہو جائیگااور میں واپس آجاؤں گا۔" یہ حبیب کی آواز تھی۔"اور واپس آنے کے بعد مجھے کسی بھی اچھی جگہ پر باآسانی جاب مل جائیگی۔"

"کس طرح کاپراجکٹ ہے؟"مریم نے مداخلت کی تھی۔نور وہیں کھڑے ماتھے پر بل لئے سنے جارہی تھی۔

"تعمیراتی پراجکٹ ہے۔ایک نئی آفشل بلڈ نگ بن رہی ہے وہاں۔جس کے لئے مجھے انہوں نےاپراجکٹ مینیجر کے طور پر ہائر کیا ہے۔"

(کس نے؟اور کہاں؟)

"اچھی بھلی جاب ہے تمہاری امریکہ میں کیا ضرورت ہے؟"دادی جان اب بھی اپنی بات پر قائم تھیں۔

"نہیں دادی جان! اسے جانا چاہیے۔یہ 'ون اِن اے لائف ٹائم 'اپر چونیٹی ہے "اس بار عثمان نے اپنے بھائی کو ڈیفینڈ کیا تھا۔دادی جان کے چہرے پر غم کے تاثرات بکھرے۔

"ان لوگوں کو تمہارا کیسے پتہ چلا؟"مریم پھر سے پوچھنے لگی۔

"میں نے پہلے بھی امریکہ میں ایک پراجیکٹ پر اسی کانٹریکٹر کے لئے کام کیا تھا۔ تو اب جب اسے وہاں پراجیکٹ ملا ہے، تو اس نے مجھے وہاں بھی اپائنٹ کیا ہے۔" پھر رکا جیسے چائے کا سپ لیا۔ "اور پیکیج بھی اچھا ہے تو میں نے ہامی بھر لی۔"

"بیٹا اگر پہلے بتادیا ہوتا، تم سب اس لئے آرہے ہو ملنے آرہے ہو تو میں کچھ تیاری تو کر لیتی۔" دادی جان نے گلا کیا۔

"ارے ممی! تیاری کیسی۔ ہم نے سوچا آپ پھر اپنی تکلفّات میں لگ جائیں گی تو ہم نے نہیں بتایا۔" سکندر تایا وضاحت دینے لگے۔ "اور پھر ہم نے کہا کہ دونوں کام ہو جائیں تو ہم سب یہاں آجائیں۔"

"دونوں کام تو ہو جائیں گے مگر میرے دو بچّے مجھ سے دور ہو جائیں گے۔" دادی جان نے اداس سا کہا۔ مریم کے چہرے پر سایہ سا آکر گزرا۔ عثمان نے مسکرا کر مریم کو دیکھا۔ لمحے بھر کو دونوں کی نظریں ملیں پھر مریم واپس نیچے دیکھنے لگی۔

"حبیب وہاں اپنا بہت خیال رکھنا، میں نے سنا ہے وہاں بہت عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ پر اسرار قسم کے۔" مریم فکر مندی سے بولی۔

حبیب ہنس دیا جیسے اس کی بات سے محظوظ ہوا ہو۔

"اب ایسے بھی کیا پر اسرار لوگ ہوتے ہیں دوحہ میں۔ قطر ایک اچھا ملک ہے۔"

اور باہر کھڑی نور کا تو جیسے سانس ہی رک گیا۔ کیا وہ۔۔ قطر؟ دوحہ؟ اتنا دور؟ ایک سال!

"پھر بھی، نئی جگہ پر احتیاط کرنی چاہیے۔" عثمان بھی اسے دیکھے مسکرا رہا تھا۔

"جی!" بس اتنا ہی کہا۔

"دادی جان! نور کدھر ہے؟" مریم تشویش سے بولی۔ "آج دوپہر سے وہ نظر نہیں آئی۔"

"وہ یونی گئی ہے۔ اپنی اسائنمنٹ سبمیٹ کروانے۔ بس آنے ہی والی ہو گی۔" دادی جان بولیں۔

اور باہر کھڑی نور جلدی سے اپنے آپ کو کمپوز کرتی اندر آئی۔

"اسلام علیکم!" مسکراتے ہوئے، اپنے منفرد معصوم انداز میں بولی۔

"وعلیکم اسلام!" سب نے جواب دیا۔ پہلے دادی جان اور پھر تایا اور تائی کے گلے لگی۔ حبیب کو دیکھ کر بس مسکرا دی۔

"اسائنمنٹ جمع کروا دی؟" مریم نے پوچھا۔

"ہاں!"بس اتنا ہی کہا۔دل ہی دل میں حبیب کے جانے کا افسوس سا تھا۔مریم آگے ہوئی اور اس کو چائے بنا کر دینے لگی۔نور نے اپنے بیگ سے موبائل نکالا اور بٹن دبانے لگی۔

دادی جان افسوس سے دیکھنے لگیں۔اور دل میں سوچا۔

(ہونہہ!آج کل کے بچّوں کا تو موبائلوں کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں ہے اور ایک ہمارا زمانہ ہوتا تھا۔)مگر بولیں کچھ نہیں۔

☆☆☆

رات کے بارہ بج رہے تھے۔نور قدم در قدم چلتی ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی مریم کے کمرے تک پہنچی اور اندر گھس کر کمرہ بند کر دیا اور لائٹ آن کر دی۔اس نے سیاہ ٹائٹس پر سیاہ لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی جیسے کہیں باہر جانے کی تیاری ہو۔

قدم قدم چلتی اس کے بیڈ کے قریب پہنچی۔وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔اس نے جھٹکے سے اسے ہلایا،مگر اسے کچھ فرق نہ پڑھا۔پھر سے ہلایا،پہلے سے قدرے تیز مگر کچھ فرق نہ پڑھا۔پھر کچھ سوچ کر منہ اس کے کان کے قریب کیا۔

"اٹھووو!!"اتنا زور سے چلائی کے مریم کی تو روح تک کانپ گئی۔ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

نور پیچھے ہوئی۔چہرہ قدرے سپاٹ تھا۔

"نور کیا کرتی ہو میں سو رہی تھی۔ نظر نہیں آتا کیا؟"آنکھیں مسلتی منہ بسورنے لگی۔

وہ چلانے کے انداز میں بولی تھی۔

"جس قوم کے شاہین یوں سوتے رہیں گے،اس قوم کا کیا بنے گا آخر؟"افسوس سے کہا۔مریم نے نظر اٹھا کر اس کا حلیہ دیکھا۔

"اور میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔جس قوم کے شاہین راتوں کو یوں آوارہ گردی کرنے نکلتے ہیں اور دوسروں کی نیند خراب کرتے ہیں،ان کا کیا بنے گا؟"طنزیہ کہا اور واپس لیٹ گئی۔

"تمہاری زبان صرف منہ میں اچھی لگتی ہے۔اب اٹھو! باہر چلتے ہیں۔"اپنی جیکٹ کی زِپ چڑھانے لگی۔

"میں کہیں بھی نہیں جا رہی! پچھلی بار بھی دادی جان نے مجھے ہی بے عزّت کیا تھا اور تم اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھی۔"

"ارے! وہ تو تمہے پیار سے ڈانٹتی ہیں۔"ناک چڑھا کر بولی۔

"اوکے! میں نے بہت پیار لے لیا ہے۔آج تم اکیلے ہی پیار لو۔"منہ پر کمبل ڈالے بولی۔

"اف چلونا!" چہرے پر اکتاہٹ آگئی۔

"نو!" جواب ناگوار سا۔

"مجھے غصّہ آرہا ہے۔" ماتھے پر بل پھیلائے بولی۔

"نو!" جواب صاف تھا۔ نور 'ہونہہ!' کہہ کر مڑ گئی۔ لائٹ آن چھوڑ کر دروازہ دھڑام سے بند کرکے گئی۔

"نور! لائٹ تو بند کرونہ!!" وہ چلائی مگر کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اب اسے خود ہی اٹھنا پڑے گا۔

نور گو منہ لٹکائے واپس اپنے کمرے کی طرف جانے لگی مگر پھر رکی۔ ابھی ایک امید باقی تھی۔ مسکرائی اور واپس مڑی۔

حبیب کا کمرہ نیم اندھیر تھا۔ سائڈ لیمپ اب بھی آن تھا مگر وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اچانک دروازے کا نوب گھوما اور کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔ نور اندر داخل ہوئی۔

"حبیب!" نور نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ مگر اسے زرا فرق نہ پڑھا۔

"حبیب!" پھر سے سرگوشی کی۔

"حبیب!!!" اتنا تیز چلائی کہ حبیب کے فرشتے بھی جاگ اٹھے۔

"ہا۔۔ہاں۔۔کک۔۔کون ہے؟" ایک جھٹکے سے اٹھا۔ نور بے اختیار مسکرا دی۔

(مطلب یہ تو کنفرم تھا کہ روح کو جگا دینے والا یہ فار مولا، ہر جگہ کار آمد ثابت ہوتا ہے!)

"نور یہ کون سا ٹائم ہے اور یہ کیا طریقہ ہے؟" رات کے کپڑوں میں ملبوس وہ آنکھیں مسل رہا تھا۔

"شش! چلو چلیں۔" اور مڑنے لگی۔

"کہاں؟" اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں۔

"زیادہ سوال مت کرو اور چلو!" چہرے پر ناگواری پھیلی۔ اس نے سائڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا اور وقت دیکھا۔

"نور یہ کون سا وقت ہے؟ 12 بج رہے ہیں!" نور ماتھے پر بل پھیلائے مڑی۔

"لڑکے! جو کہہ رہی ہوں وہ کرو! یہ تمہارا امریکہ نہیں ہے جہاں اندھیرے کو رات سمجھا جاتا ہے۔ یہ میرا پاکستان ہے، یہاں تو ابھی صبح ہوئی ہے۔" مسکرا کر واپس مڑی۔

"خاتون! صرف تم ہی اس وقت جاگتی ہو گی میں نہیں۔ میں الحمدللہ فجر کے لئے اٹھتا ہوں۔" کہہ کر لیٹنے لگا۔

New Era Magazine

"ہاں ہاں !اپنی تعریف بعد میں کر لینا۔اگر 5 منٹ میں تم مجھے نیچے لاؤنج کے دروازے کے پاس نہیں ملے نہ، تو صبح تمہاری چائے میں زہر ملا کر دوں گی۔" کہہ کر باہر نکل گئی۔

(اف !! کیا سائکو لڑکی ہے یہ)

پانچ منٹ بعد وہ لاؤنج کے دروازے کے پاس کھڑا تھا اور نور اسے کچھ بول رہی تھی۔

"سمجھ گئے نہ ؟" نور نے مسکرا کر پوچھا۔

"نور کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے !" خفہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"گڈ ! تم بہت جلدی سمجھ جاتے ہو۔" کہہ کر باہر پورچ کی طرف نکلنے لگی۔وہ بھی پیچھے کو لپکا۔

دونوں گیٹ کے قریب گئے۔گیٹ کے ساتھ چوکیدار کرسی پر بیٹھا خرّاٹے مار رہا تھا۔ ساتھ چھوٹے سے سرونٹ روم کی بتّی بجھی تھی۔جہاں وہ عموماً بیٹھتا تھا۔نور قریب آئی اور سرگوشی کی۔

"غفور انکل !" چوکیدار کی فوراً سے آنکھ کھلی۔

"نور بی بی آپ اس وقت۔۔یہاں ؟" پختہ عمر والا چوکیدار فٹ سے بولا۔حبیب پیچھے سے اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

New Era Magazine

"باہر میرے فرینڈز میرا انتظار کر رہے ہیں۔پلیز گیٹ کھول دیں!"معصومیت سے درخواست کی۔

"نہیں چھوٹی بی بی، بڑی بی بی سے سختی سے اس وقت کسی کا بھی باہر نکلنے سے منع کیا ہے۔میں نہیں کھول سکتا۔"پیچھے سے حبیب نے چابیوں کا گچھا اٹھا ایک ایک چابی پکڑ کر اشارہ کیا۔نور بس ایک نظر ہی اسے دیکھی۔

"ہا۔۔ہاں وہی۔۔وہی والی۔۔بات میں نے اپنے دوستوں کو کی مگر وہ بہت اصرار کر رہے ہیں۔پلیز"حبیب مسکرایا۔

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں بڑی بی بی کو اس وقت اٹھاؤں؟"چہرہ سپاٹ۔

(ہونہہ گندہ بچّہ!!)

"اچھا ٹھیک ہے۔۔میں منع کر دوں گی۔"اداس چہرہ بنایا۔"آپ باہر جا کر(ایک کاغذ جیب سے نکالا)بس یہ انکو دے دیں۔"

چوکیدار نے اس کے ہاتھ سے کاغذ تھاما اور اٹھ کر گیت کھول کر باہر نکل گیا۔مگر باہر کوئی نہیں تھا۔۔ایک دم سنسان۔۔پھر ماتھے پر بل لئے واپس آیا۔

"باہر تو کوئی۔۔"مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

سر جھٹکتے ہوئے کاغذ اندر کمرے میں رکھا اور واپس کرسی پر آ بیٹھا۔

گھر کی پچھلی جانب دیکھو تو نور اور حبیب چھوٹے دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

حبیب افسوس سے اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ مسکرا کر چھوٹے دروازے کا تالہ کھول رہی تھی۔

"کھل گیا!" دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔ آگے راہداری سی تھی۔ راہداری عبور کر کے دونوں روڈ پر نکل آئے۔ سامنے گاڑی کھڑی تھی۔ دونوں اندر بیٹھ گئے۔ حبیب کانوں کو ہاتھ لگانے لگا اور نور نے اسے ایک زوردار مکّا رسید کیا۔

"مگر ہم جا کدھر رہے ہیں اس وقت؟" نور بس مسکرا دی۔

"بھائی فوڈ سٹریٹ چلنا!"

اور حبیب سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے یوں اس وقت نہیں آنا چاہیے تھا۔

"حبیب سکندر! یہ تمہاری زندگی کی سب سے خوبصورت رات بننے والی ہے۔" مگر حبیب اب بھی ویسے ہی اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

رات کے 1 بجے بھی فوڈ کورٹ میں صبح کا سا سماں تھا۔ سارا بازار ینگسٹرز سے بھرا پڑا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کی بھرمار تھی۔ نوجوانوں کا ہجوم تھا۔ مسکراہٹیں ہر طرف پھیلی تھیں۔ چند لمحے لگے حبیب کو اس منظر کو برداشت کرنے میں۔ ہر طرف کھانے پینے

کے اشیاء کی خوشبو اور لوگوں کا ہجوم پھیلا تھا۔ گروہ در گروہ لوگ گزرتے جا رہے تھے۔

"چلو! یہاں کیوں کھڑے ہو گئے؟" اور وہ جلدی سے سنبھل کر اس کے پیچھے بڑھا۔ نور سب سے پہلے ایک باربی کیو کے سٹال کے آگے رکی جو بلکل شروع میں تھا۔ سٹال والے نے جلدی سے تکوں کی پانچ سیخیں تیار کیں۔ ساتھ ایک چھوٹی پیالی میں ایک مشروب سا رکھا۔ اور پلیٹ آگے کی۔ اس سٹال کے آگے بہت رش تھی۔

"یہ یہاں کے سب سے مشہور ہیں۔ اگر تم نے یہ آج نہیں کھائے تو زندگی بھر پچھتاؤ گے۔" اور جلدی سے ایک سیخ اٹھائے خود کھانے لگی۔ حبیب بس اسے دیکھے گیا۔ "کھاؤ!"

"اس میں تو بہت مرچیں ہیں۔" حبیب نے آنکھیں میچیں۔

"زیادہ انگریزی گڑیا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویلکم ٹو پاکستان!" اور حبیب نیند اور مرچ کے باعث سرخ آنکھوں سے بس اسے دیکھے گیا۔ اس نے دوسری سیخ نہیں اٹھائی۔ اس سے پہلے کے وہ والٹ نکال کر پیسے دیتا۔ نور کاؤنٹر پر رکھ کر کب کی آگے بڑھ چکی تھی۔

"اب میں تمہے یہاں کا سب سے مشہور مشروب پلاؤں گی۔۔ یہاں کا لیمو نیڈ!"

New Era Magazine

(ہونہہ !!میرا نام لے کر خود انجوئے کر رہی ہے)حبیب نے سوچا۔

اس بار حبیب پہلے ہی پے کرنے لگا مگر نور نے اس کے ہاتھ پر ایک چپت لگائی۔

"تمہے یہاں میں لائی ہوں، پے بھی میں ہی کروں گی۔" مگر حبیب نے پہلے ہی پے کر دیا تھا۔نور نے ایک نگاہِ غلط اس پر ڈالی۔

لیمو نیڈ اب ان کے ہاتھ میں تھا۔پہلی نظر دیکھتی ہی اس کا چہرہ بگڑ گیا۔

کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔unhygienic مگر اب وہ اس لیمو نیڈ کو اس نے بس آنکھیں اور سانس بند کر کے ایک ڈیگ بھرا۔ مگر اس کے خیالات کے برعکس، وہ لیمو نیڈ واقع بہت مزیدار تھا۔اسے یاد آیا، اس نے ایسا ہی ایک لیمو نیڈ امریکہ کہ ایکدیسی ریسٹرانٹ میں بھی پیا تھا۔اس کا موڈ کافی بہتر ہو گیا۔جب تک اس نے اپنا گلاس ختم کیا، نور آگے بڑھ چکی تھی۔جب تک وہ نور تک پہنچا، نور آئس کریم لئے کھڑی تھی، اس کے ہاتھ میں آئس کریم پکڑائی (اتنی سردی میں آئس کریم کون کھاتا ہے؟)اور آگے بڑھ گئی۔

وہ اس کے پیچھے کو لپکا۔آگے کچھ جھولے وغیرہ لگے تھے اور نور وہیں جا رہی تھی۔وہ تیزی سے اس کے پیچھے گیا۔وہ وہیل کے ایک کیبن میں بیٹھے، مسکراتے ہوئے، اسے آتا دیکھ رہی تھی۔وہ اسے نکالنے لگا مگر خود بھی اندر ہی بیٹھ گیا۔ہاتھ میں آئس کیم ہنوز

ویسے ہی پکڑی تھی۔اگلے اور پھر اگلے کیبن بھرتے گئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی جھولا شروع ہو گیا۔

حبیب کا سانس جیسے وہیں رک گیا۔اونچائی سے تو اسے ہمیشہ ہی ڈر لگتا تھا مگر اب تو نور بھی ساتھ تھی اف! اف!

آئس کریم اس کے ہاتھ سے اونچائی سے گری مگر اسے کچھ ہوش نہ تھا۔وہ بس دم سادھے خاموش بیٹھا رہا اور نور مزے میں چلاتی رہی۔ جھولار کا تو اس بار وہ نور کے ساتھ ساتھ رہا تا کہ اسے کسی بھی اگلی غلط حرکت سے روک سکے۔ مگر وہ تو بندروں کا تماشا دیکھنے کھڑی ہو گئی۔

(لو بھلا! آدھی رات کو کوئی گھر سے چھپ کر ان بندروں کا تماشا دیکھنے کھڑا ہو؟)

مگر جوں جوں وہ کرتب دکھا رہے تھے۔ حبیب کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔ایک بندر ڈگڈگی پر ناچنے لگا جبکہ دوسرا ہنوز اکڑوں بیٹھا تھا۔۔ہلا بھی نہیں! مالک اپنی بے عزّتی کے غم سے بار بار اسے ہلا رہا تھا مگر وہ ہلا بھی نہیں۔

حبیب مسکرایا۔اس عجیب سی حرکت نے جیسے اسے مزہ دلانا شروع کر دیا تھا۔ تبھی کسی نے اس کا بازو کھینچا اور وہ آگے بڑھ گیا۔آگے کپڑوں اور جیولری کے سٹالز تھے۔نور ایک سٹال کے آگے کھڑی چوڑیاں دیکھنے لگی۔

"یہ والی کیسی ہیں؟" حبیب نے مسکرا کر سیاہ رنگ کی اٹھائیں۔نور نے منہ بسوڑا۔

"ایں! بلیک کلر تو مجھے بلکل پسند نہیں!" اور آگے بڑھ گئی۔حبیب اب خاموش رہا۔

اس نے سرخ رنگ کی چوڑیاں خریدیں اور اس بار حبیب نے ہی پے کیا۔

آگے بڑھے تو بچوں کے کھلونے وغیرہ تھے۔نور آگے بڑھی ایک گڑیا خریدی۔ایسی ہی ایک گڑیا اس کی سٹڈی میں بھی پڑی ہے۔حبیب کو اس گڑیا کو دیکھ کر جیسے بہت کچھ یاد آیا۔اور نور کو بھی۔آگے سے نور نے کافی سٹال سے دو کافی مگ خریدے۔بھئی کافی تو مسٹ تھی!

حبیب نے خوشی سے تھام لیا۔دونوں اب آہستہ آہستہ چلنے لگے۔نور کی پھرتی اب کم ہو گئی تھی۔حبیب نے شکر ادا کیا۔نور نے گھڑی نکالے ٹائم دیکھا۔

"ابھی تو ڈھائی بجے ہیں۔دادی جان تہجّد کے لئے تین بجے اٹھیں گی۔"

(اللہ! یہ لڑکی پوری تیاری سے آئی ہے)

"حبیب تو کیسا لگا تمہے میرا پاکستان؟"

"ایکسکیوزمی خاتون! میں بھی یہیں کا پیداوار ہوں۔" پھر کافی کا سپ لیا۔"پاکستان بہت نیچرل ہے! بہت رئیل! اور پہلے سے بہت مختلف بھی!"

"اور پاکستان کے لوگ؟" گرم کافی منہ سے لگائی۔ حبیب اس کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

"بہت من مان!" نور بس مسکرا دی۔ کوئی مکاّر سید نہیں کیا۔ لوگوں کے ہجوم کو کاٹتے گزر رہے تھے۔

"حبیب! تم نے امریکہ جا کر ہم سب کو مِس نہیں کیا تھا؟" سیدھ میں چلتی پوچھنے لگی۔

"ہوں! کچھ مہینے اور بس۔ پھر عادت ہو گئی۔"

"بس کچھ مہینے؟" نور حیرانی سے اسے دیکھی۔ "اور میں تو کئی سال تم لوگوں کے جانے پر اداس رہی۔" وہ اس کی بات پر برا مانی۔

"تم لڑکے کتنے برے ہوتے ہو نہ؟ کم از کم دل رکھنے کیلئے ہی بول دیتے کہ ایک دو سال بہت مِس کیا۔"

"حبیب سکندر کبھی جھوٹ نہیں بولتا!"

"اور نورالعرش تمہارا منہ توڑ دے گی اور تمہے یہیں چھوڑ کر چلی جائیگی۔" کہہ کر تیز چلنے لگی۔ حبیب مسکرایا، پیارا سا۔

"اور میں دادی جان کو تمہارے قرتوتوں کی خبر کر دوں گا۔" وہ ہنوز مسکرا تا رہا۔ بھوری آنکھیں چمکتی رہیں۔

"یہ پانی پری ہے نا؟" حبیب نے جلدی سے پوچھا۔ نور بس اس کی طرف دیکھی اور تھوڑی دیر بعد دونوں اس سٹال کے آگے کھڑے پانی پری کے چسکے لے رہے تھے۔

"واؤ! اب بھی ویسا ہی زائقہ ہے جیسا میں نے بچپن میں کھایا تھا۔" آنکھیں میچے زائقے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں پھر سے گلی کے بیچ میں چلنے لگے تھے۔

"کافی کے بعد پانی پڑی کھانے پر مجھے کچھ بہت برا محسوس ہو رہا ہے۔" نور بولی۔

"مجھے بھی۔" پیٹ پر ہاتھ رکھے حبیب نے تائید کی۔

"اب اس غلطی کو سُدھارنے کا وقت ہے۔" حبیب نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ اور پھر بس مسکرا دیا۔

ہاتھوں میں کاٹن کینڈیز پکڑے، وہ بچپن کی یادوں کو جسے یاد کر رہا تھا۔

"ہم بچپن یں بھی اکثر ایسے ہی پانی پری کے بعد کاٹن کینڈیز کھاتے تھے نہ؟" وہ ہنس دیا۔ اور نور بس ہنستے ہوئے "ہوں" کہہ کر رہ گئی۔

"تھینکس گاڈ تم ساتھ تھے۔ بہت مہینوں بعد ادھر آئی ہوں۔" حبیب نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟ مہینوں بعد کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"کیونکہ دادی جان ہمیں ایسی جگہوں پر نہیں چھوڑتیں اور اگر چھوڑ بھی دیں کبھی تو ساتھ ڈرائیور ضرور ہوتا ہے۔اور اس کی موجودگے سے میں بہت اَن کمفورٹیبل ہوتی ہوں، یونو!"

"دادی جان کیوں نہیں چھوڑتیں؟"اس نے سادگی سے پوچھا۔

"کیونکہ یہ جگہ سیف نہیں ہے۔اور میں اَن سیف جگہیں انجوائے کرتی ہوں۔"ساتھ ہی اسے دیکھ کر داہنی آنکھ جھپکائی۔حبیب دل ہی دل میں اسکے پاگل پن پر افسوس کرنے لگا۔

تبھی وہ سٹریٹ کے دوسرے کونے سے نکل آئے رسامنے کیب کھڑی تھی۔دونوں اندر بیٹھ گئے۔تین بجے وہ دونوں اندر گھنس کر گھر کے پچھلے دروازے کو لاک کر رہے تھے۔

"نور مجھے واقعی بہت مزہ آیا! سچ میں!"وہ بس خوشی سے مسکرا رہا تھا۔

"آئی نو! اب جاؤ اور سکون کی نیند سو جاؤ۔"

دونوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اندر داخل ہوئے اور پھر اوپر اور پھر اپنے اپنے کمروں میں۔

وہ رات اب ختم ہونے کو تھی۔

وہ رات جیسے امر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح اس گھر پر قدرے دیر سے ہوئی۔ نور دیر سے اٹھی اور سب کافی دیر سے ناشتے پر اس کا انتظار کرتے رہے۔ حبیب بھی جلدی اٹھ گیا تھا۔ چہرے پر رات والے واقعے کے کوئی آثار نہ تھے جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد سب ڈائننگ پر بیٹھے تھے۔ مریم خانساماں کے ساتھ ناشتہ لگا رہی تھی اور نور کھڑی چائے بنا رہی تھی۔

"زرینہ تائی! آپ کے لئے بھی چینی نہ ڈالوں؟"

"نہیں بیٹا! میں بھی چینی نہیں لیتی۔" مسکرا کر بولیں۔

"حبیب زہر کتنی چمچ؟" قریب بیٹھے حبیب سے مسکرا کر پوچھا۔

"بس دو چمچ۔ میں زیادہ نہیں لیتا۔" وہ ہنس دی۔

سب نے آرام سے ناشتہ کیا۔ دادی جان اور سکندر تایا کی سرد مہری اب بلکل نظر نہیں آتی تھی۔ نور مسلسل حبیب کو مسکرا کر دیکھ رہی تھی مگر حبیب زرا بھی نہیں مسکرایا۔ دیکھا تک نہیں۔ وہ کوئی بچّہ تھوڑی تھا!

"ہوں، تو پھر رات کا کیا پلان ہے نور؟" عثمان نے ٹشو سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔ حبیب اور نور بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھے۔

"جی؟"اسے پچھلی رات یاد آئی۔

"وہ تم کہہ رہی تھی کہ آج رات کچھ فیسٹ وغیرہ ہے؟"آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

"ہا۔۔ہاں۔۔آج شام کو نیوائر فیسٹ ہے۔آپ چلیں گے عثمان بھائی؟"وہ بدقت مسکرائی۔آخر کوئی تو ہے،جسے پارٹیز میں انٹرسٹ ہے۔

ہوتے ہیں۔"وہ بھی مسکرایا۔(Fest)"ہاں،ضرور چلوں گا۔دیکھوں گا کہ پاکستان میں کیسے فیسٹس

اور مریم بھی عثمان کو دیکھے پیارا سا مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد،ناشتہ کر کے سب لاؤنج میں آبیٹھے۔نور بھی لاؤنج میں موبائل تھامے آبیٹھی۔اب تو اسائنمنٹ کا بھی غم نہیں تھا۔عثمان اپنے کمرے میں اوپر چلا گیا۔(گھر کے تقریباً سب کمرے اوپر والے پورشن مین تھے۔نیچے صرف دادی جان،سکندر تایا اور حلیمہ پھوپھو کا کمرا تھا۔)مریم چند کتابیں لئے باہر لان میں چلی گئی۔

کئی دیر تک دادی جان،زرینہ تائی کے ساتھ خاندان کے مختلف افراد کی غیبتوں میں مصروف رہیں۔پاکستانی خواتین خواہ کتنی ہی کم گو کیوں نہ ہوں،جب غیبتوں کی بات آتی ہے تو سب کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ چٹپٹی خبر سنائیں۔سکندر تایا،حبیب کے ساتھ مصروف رہے۔باتوں باتوں میں جب 'دوحہ'کا ذکر آیا تو نور بغور

ان کی بات سننے لگی۔ناجانے کیوں جیسے ہی دوحہ کاز کر آتا،اس کا دھیان خود بخود کھچا چلا جاتا۔

"حبیب! آج کل میں نے سنا ہے قطر میں بہت عجیب سے واقعات ہونے لگے ہیں۔" سکندر فکر مندی سے کہنے لگے۔

"پاپا! جوں جوں میرے جانے کے دن قریب آرہے ہیں،آپ کو روز کچھ نہ کچھ نئی خبر ملتی ہے۔" وہ ہنس دیا۔ مگر سکندر زرانہ ہنسے۔

"نہیں،میں نے ایک قابل رپورٹر کا آرٹیکل پڑھا تھا،اس کے مطابق وہاں کچھ لوگ پرائویٹلی کام کر رہے ہیں اور لوگوں کا قتل کر کے ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے چلا آرہا ہے مگر اب نوٹس میں آیا ہے۔" پھر رکے۔"اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ سب لوگ کس کے لئے کام کر رہے ہیں اور کیوں؟" وہ بس سر ہلا کر رہ گیا،وہ سکندر کو نہیں سمجھا سکتا تھا کہ فکر نہ لیں۔نور بس اٹھ کر چلی گئی۔

کمرے میں جاتے ہی اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا۔جلدی سے اپنا 'جی۔میل' کھولا اور میلز چیک کیں۔مگر وہ وہیں ششدر رہ گئی۔۔

New Era Magazine

وہاں تو کوئی میل ہی نہیں تھی۔ جیسے نہ کبھی بھیجی گئی ہو، نہ کبھی موصول کی گئی ہو۔
اس نے جلدی جلدی باقی سارے فولڈرز کھولے مگر اس میں کا کہیں کوئی نام و نشان ہی نہیں تھا۔

(ہو سکتا ہے وہ کوئی فیک میل ہو اور پکڑے جانے پر گوگل والوں نے وہ اکاؤنٹ بلاک کر دیا ہو) اس نے دل ہی دل میں اپنے آپکو تسلّی دی۔ مگر دل نہیں مانتا۔

اس نے ایک گہرہ سانس لیا گو کہ دل کو تسلّی دے رہی ہو۔ پھر میل والا ٹیب بند کر کے دوسرا ٹیب کھولا۔

وہاں پر اس نے 'نیو-ائر فیسٹ' والوں کا پیج کھولا۔ اور چار ٹکٹس خریدے۔ کم از کم رات کو انکو کسی لائن وغیرہ میں کھڑا نہ ہونا پڑے۔ ان امریکی مہمانوں کے منہ سے اسے اپنے ملک کے بُرے نظام کا سننا بہت برا لگتا۔ سو، یہ ایک بہتر آئڈیا تھا کہ وہ آنلائن ٹکٹس ہی خرید لے۔ ٹکٹس خریدتے ہی اس نے لیپ ٹاپ فوراً بند کر دیا۔ اسے کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا تھا۔ جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے، ہر پل۔۔ کوئی اس کی تاک میں بیٹھا ہے مگر پھر زہن کو جھٹک دیتی۔ مگر دل میں جب ایک بات آجائے تو اسے خدا کے علاوہ آج تک کوئی نہیں نکال پایا۔

زہن سے بس خیال جھٹکااوراٹھ گئی۔اسے اب رات کی بھی توتیاری کرنی تھی۔اُف اللہ! اف اف! ایک ینگ لڑکی کی زندگی میں آج تک اس سے زیادہ مشکل فیصلہ کوئی نہیں ہے۔آج رات کو کیا پہنے؟اب رات کو بھی توتیار ہوناتھانہ!

اسے تیار ہونا بھی چاہئے تھا۔۔

☆☆☆

وہ شام نور کواس سال کی سب سے خوبصورت شام لگی۔ہر طرف جابجار وشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔موسیقی کی دھن ہی دھن۔ہر طرف ایک شور سی خاموشی تھی۔یا شاید اتنا شور تھا کہ اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا۔وہ چاروں، گیٹ سے جوں ہی اِنٹر ہوئے توسب سے پہلے ان کے ٹکٹس چیک کئے گئے،جو نور نے پہلے سے ہی پرنٹ کروا لئے تھے۔نوراور عثمان اپنے ہی دھن میں تھے،جبکہ مریم اور حبیب قدرے غیر آرام دہ تھے۔مگر کسے پرواہ تھی؟ہر طرف لوگوں کارش سالگاہواتھا۔حبیب نے دیکھا کہ پچھلی رات کے مقابلے،یہاں لوگ کافی ماڈرن سے تھے۔لبرل حلیوں میں۔

نور نے بلو جینز پر چمکتی ستاروں والی گولڈن شرٹ اوراوپر سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی، ساتھ ہلکہ میک اپ بھی کرر کھا تھا،بال کل کے مقابلے کھلے چھوڑے تھے۔اندھیر چمکتی شام میں وہ کسی ساحرہ سے کم نہیں تھی۔جبکہ مریم نے نور کے اصرار پر جینز کے

اوپر لانگ فراک سا پہن رکھا تھا۔ حبیب اور نور دونوں نے کیژول پینٹ شرٹ اور اوپر جکٹس پہن رکھی تھیں۔

ہر طرف مختلف سٹالز اور ہر سٹال کے آگے لوگوں کا جوم۔۔ مگر نہیں، یہ ہجوم بلکل بھی پچھلی رات جیسا نہیں تھا بلکہ آج تو لوگ تعداد میں کل رات سے دگنے تھے اور ان 'لوگوں' میں صرف ینگسٹرز ہی نہیں بلکہ بچے، بوڑھے، جوان سب شامل تھے۔ موسیقی ایسی تھی کہ ساتھ کھڑے آدمی کو سننا دشوار تھا۔
یہاں پچھلی رات کی طرح بس کھانے پینے اور تفریح کے میلے ہی نہیں تھے۔ بلکہ بڑے بڑے ٹینٹس بھی نظر آتے تھے، گوکہ کمرے بنے ہوں۔ ہر کمرے کے باہر ایک ٹیگ سا لگا تھا۔ جیسے سرکس، ڈانس پارٹی، مِرَر ورلڈ، کانٹی نینٹل فوڈ پارٹی، موشن رائڈ وغیرہ۔ پھر آگے جاؤ تو چند 'بارز' وغیرہ تھے۔ تھوڑا اور آگے جاؤ تو میدان کا آخری سرا آجاتا ہے، جہاں ایک سٹیج سا بنا تھا۔ جس سے صاف ظاہر تھا کے یہاں کانسرٹ ہونی تھی۔ مگر وہاں ہجوم نہ ہونے کے برابر تھا اور جو تھا، وہ صرف تصویریں اتارنے کھڑے تھے کیونکہ کانسرٹ میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔

حبیب نے گھنستے ہی چاروں اطراف کا جائزہ لیا۔ نور البتہ بے فکر سی عثمان بھائی اور مریم کے ساتھ تھی جو ایک سٹال کے آگے رک کر دیکھ رہے تھے۔ نور کی اجلت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈانس پارٹی کا رخ کرنا چاہتی ہے۔ اور مریم کی سست روی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ نور اور عثمان کسی کو بھی وہاں نہیں جانے دینا چاہتی، البتہ منہ سے کچھ نہ بولی۔ حبیب بھی ان کے ساتھ آ کھڑا ہو۔

عثمان کپڑوں کے سٹال کے آگے کھڑا مریم کو کپڑے دلا رہا تھا۔ اس کے بار بار اصرار کے باوجود وہ اس کے لئے لیے جا رہا تھا ساتھ ہی نور کے لئے بھی لے رہا تھا۔ اور حبیب بس اِدھر اُدھر دیکھے تماشہ دیکھ رہا تھا۔

"اچھا بس، عثمان بھائی اب چلتے ہیں نہ۔ یہ کپڑے تو بعد میں بھی لے سکتے ہیں۔" وہ اکتا سی گئی تھی۔

"اوکے چلو!" مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ نور بھی جلدی جلدی آگے کو بڑھی۔ آگے وہ چاروں جولڑی کے پاس کھڑے ہو گئے۔ مریم اور نور دونوں نے اپنی پسند کی چوڑیاں اٹھا لیں۔ نور نے آج سیاہ رنگ کی چوڑیاں اٹھائیں۔ اسے نا جانے کیوں یہ رنگ اب اتنا برا نہیں لگ رہا تھا جتنا پہلے لگتا تھا۔ حبیب نے دیکھ لیا تھا۔

اب وہ کھانے پینے کے سٹالز کے آگے آ گئے تھے۔ حبیب اب بھی پیچھے والے سٹال پر کھڑا اپنے لئے خوشبو پسند کر رہا تھا۔ نور نے جلدی سے پانی پری پر ہلّا بول دیا۔ مریم نے اسے کنڑول کرنے کا کہا، مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ عثمان بھی نور کے ساتھ کھڑا کھا رہا تھا۔ مریم اب البتہ پہلے کی طرح غیر ارادہ نہیں تھی۔ حبیب اب آگے آ گیا تھا اور وہ بھی اب اپنے لئے پلیٹ بنوا رہا تھا۔

نور نے اچانک اپنے دائیں پر مڑ کر دیکھا۔ اسے لگا جیسے کوئی مسلسل اس پر نظریں تانے ہوئے ہے۔ مگر وہاں اتنی رش تھی کہ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس کا گمان تھا۔ وہ پھر سے مڑ کر کھانے لگی۔ ساتھ آگے جا کر سب نے انار کے جوس کے گلاس تھام لئے جو انتہائی لزیز اور ترش تھا۔ نور نے اپنا گلاس ختم کیا اور آگے چلی گئی۔ ڈانس پارٹی والے کمرے میں۔ عثمان اور مریم بھی پیچھے کو لپکے۔ حبیب البتہ آرام سے جوس کے مزے لیتا رہا۔ اسے ان بے سُرے سازوں پر اچھلنے کا کوئی شوک نہیں تھا۔

کمرے کے اندر قدرے اندھیرا سا تھا۔ ڈِل سی بتیاں جل رہی تھیں۔ اندر موجود زیادہ تر ینگسٹرز مسلسل اچھل کود سے رہے تھے، اپنی ہی دھن میں۔ نور اور عثمان بھی وہیں اچھلنے لگے، مریم مسکراتے ہوئے انھیں دیکھنے لگی۔ دفعتاً نور کو احساس ہوا کہ حبیب وہاں نہیں ہے۔ وہ زرا رکی۔

New Era Magazine

"کیاہوا ہے؟"مریم نے چونک کر پوچھا۔

"حبیب کدھر ہے؟"نور نے جواباًسوال کیا۔

"باہر ہوگا آجائےگا۔"اس نے شور سے آواز نکالتے اسے تسلّی دی۔

"میں اسے لاتی ہوں۔"کہہ کر وہ باہر کو نکلی۔ عثمان نے چونک کر مریم کواشارہ سا کیا جیسے پوچھ رہاہو"یہ کہاں گئ؟"اور مریم نے اسے جواباً"حبیب"کہہ کر تسلّی دی۔

اس نے مریم کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور اسے بھی ساتھ ساتھ نچانے لگا۔

اور مریم کو شرم سے پانی پانی قدرے شرمانے لگی۔ عثمان اس کے شرم سے سرخ ہوتے گال دیکھ کر خوبصورت سا ہنسا۔مریم سوچنے لگی کہ اگر نور نے اسے اس طرح دیکھ لیاتو آج ساری رات اسے شرمندہ کرے گی۔وہ آرام سے اس کے ہاتھ سے ہاتھ نکال کے رہی۔

باہر آؤتو نورماتھے پر بل پھیلائے،ادھر ادھر دیکھے حبیب کوڈھونڈناچاہ رہی تھی۔

حبیب نے ہلکا سااشارتاًہاتھ ہلایا تو نور کی نظر میں آیا۔نور نے اسے اندر آنے کااشارہ سا کیاتو اس نے اثبات میں سر ہلا کر اسے تسلّی دی۔نور تسلّی بخش تاثرات لئے مڑی۔مڑ کر اس نے دیکھاایک اور کمرا(جو اس ڈانس والے کمرے کے بلکل ساتھ تھا) بلکل خالی سا تھا۔وہاں باہر بھی کوئی نہیں تھا جیسے کسی کو بھی وہاں جانے کاشوق نہ ہو۔

کا ٹیگ لگا تھا۔۔(Mirror World) اس کمرے کے باہر "مرر ورلڈ"
نور کی سنہری آنکھیں مزید چمکیں۔وہ اندر جانا چاہتی تھی۔وہ اندر جانے کے لئے آگے
بڑھی۔حبیب اس سے کافی دور تھا مگر پھر بھی اسے دیکھ سکتا تھا۔وہ اندر چلی گئی۔۔
اندر کا منظر قدرے سادہ سا تھا بلکل عام سا۔وہ وسط میں آ کر کھڑی ہو گئی۔چاروں
اطراف آئنہ ہی آئنہ۔یہ بلکل ویسا ہی تھا جیسے اس نے فلموں میں دیکھا تھا بس اتنا فرق
تھا کہ وہ کیمرے کی آنکھ سے چھن کر اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور یہ منظر اس نے اپنی آنکھ
کی 'پتلی' سے گزرتے ہوئے دیکھا۔منظر گو ایک ہی تھا بس سورسز مختلف تھے۔
اس نے چاروں گردار مر کر دیکھا اور پھر قدرے خوشی سے مسکرائی۔عجیب سی خوشی
مگر دل میں نہ جانے کیا کاٹ رہا تھا مسلسل۔چاروں گردار شیشوں کو دیکھتے اسے یہ بھی
بھول گیا تھا کہ وہ گھسی کہاں سے تھی۔جیسے کنفیوز سی ہو گئی ہو۔مگر پھر۔۔
ایک دم جیسے ساری بتیاں بجھ گئیں۔ساری بتیاں لمحے بھر کے لئے بجھیں۔۔اف
لوڈشیڈنگ!

مگر اسی لمحے بعد ساری بتیاں جل اٹھیں۔

اور اس نے اپنے سامنے والے آئنے میں دیکھا کہ۔۔

ایک آدمی اس کے بلکل پیچھے کھڑا مسکرا رہا ہے۔

آدمی کا حلیہ قدرے عجیب ہے۔اس نے سیاہ ٹراؤزر کے اوپر براؤن کلر کا لانگ کوٹ پہن رکھا ہے۔قد عام تھا۔نہ زیادہ لمبا،نہ زیادہ چھوٹا۔ناک کی ہڈّی کے اوپر سیاہ چشما ٹکائے،ہاتھ میں ایک اسٹک سی پکڑ رکھی تھی۔چہرے کا رنگ سانولا سا تھا۔سر پر ہیٹ کے باعث،اس کے بال چھپے تھے۔اسٹک ہاتھ میں پکڑنے کے باوجود صاف پتہ لگتا تھا کہ نہ وہ بوڑھا ہے،نہ لنگڑا،نہ اندھا۔اور وہ بس مسکرا رہا تھا۔چبھتی مسکراہٹ کے ساتھ۔۔

اور پھر وہ کچھ بولا۔۔بھاری مردانہ آواز کے ساتھ۔۔مگر مسکراتے ہوئے۔۔

"آپ کی آواز بہت خوبصورت ہے!"

نور کو لگا اس کے ماتھے پر ڈھیروں پسینہ ہے اور اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں مگر وہ ہل بھی نہیں سک رہی تھی۔اسے اس آدمی سے بہت ڈر لگا۔زندگی میں پہلی بار اسے کسی سے ڈر لگا۔

وہ بلکل اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔سنہری اور سیاہ آنکھیں ملیں۔

اور پھر نور نے اپنی نظروں میں ایک منظر سا دیکھا۔۔بہت بھیانک سا۔۔

اور پھر بتاں ایک دفعہ پھر بجھیں۔۔

اور جب بتیاں جلیں۔۔تو وہاں کوئی نہ تھا۔۔

اور یہ سب بس لمحوں میں ہوا۔۔لمحے بھر کا کھیل۔۔

اور نور وہیں اکڑ سی گئی۔۔

بلکل ساکن۔۔

بلکل جامد۔۔

☆☆☆

(آئندہ اگلے ماہ انشاءاللہ!)

بِسمِ اللہ الرّحمنِ الرّحیم

شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے

قسط:2

نور ابنتِ عزیزہ

"ہر چیز جو اس زمیں پر ہے، فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی رہ جانے والی ہے۔پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟"

(سورۃ رحمان:آیت 26-28)

☆☆☆

بتیاں بجھیں مگر جب دوبارہ روشن ہوئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔نور بس وہیں ساکن وجود کے ساتھ اکڑی سی کھڑی رہ گئی۔ حبیب تیزی سے اندر آیااور اسے وہیں جامد ساکھڑا پایا۔

"نور؟"اور نور کو کچھ بھی سنائی نہ دیا۔اس کی نظروں میں اب بھی وہ بھیانک سامنظر چل رہاتھا،جواس نےاس آدمی کی آنکھوں میں دیکھتے ہی اپنی نظروں میں محسوس کیا تھا۔یہ منظراس آدمی سے زیادہ بھیانک تھا۔وہ کھڑی تو تھی مگراسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کی ٹنگوں سے جان سی نکل رہی ہے۔حبیب دروازے میں ہی کھڑا تھا گو نہ اندر،نہ باہر۔پیچھے سے مریم اور عثمان بھی آ گئے۔

نور جیسے بے ہوشی کے عالم میں گرنے لگی،حبیب نے آگے ہو کر اسے پکڑ لیا۔مریم اور عثمان بھی آگے آئے۔مگر اسکی آنکھیں بند تھیں۔مریم کے تو جیسے ہوش ہی اڑ گئے۔

"نور!نور!"اس نے نور کے گال تھپتھپائے مگر نور ہوش میں نہیں تھی۔"عثمان دیکھو اسے کیا۔۔"تینوں کے چہروں پر تشویش سی تھی۔سپاٹ تھاتوبس نور کا چہرہ۔

"حبیب چلو واپس گھر چلتے ہیں۔۔شاید شور کی وجہ سے اسے چکّر آ گئے اور یہ گر گئی۔" اس نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ عثمان اور حبیب دونوں نے اسے بازوؤں سے پکڑا اور باہر کو جانے لگے۔ مریم بھی دھیما دھیما روتے ہوئے پیچھے کو لپکی۔لوگ مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے اور راستہ دے رہے تھے۔ وہ جلدی سے باہر نکلے اور نور کو گاڑی کے پیچھے بٹھایا۔اسے اب بھی ہوش نہیں آیا تھا۔ مریم بھی اندر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں بھی بیٹھ گئے۔ اور گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

یہ سن 1989ء چل رہا تھا۔ دولۃ القطر کے شہر دوحہ سے چند کیلو میٹر کے فاصلے پر شہر 'ام صلال محمد' کا واقعہ ہے۔ رات ہو رہی تھی اور لوگ گھروں میں غافل سو رہے تھے۔ اس زمانے میں وہ ایک گاؤں سا ہی تھا۔ آج کے 'ام صلال محمد' سے ملتا جلتا مگر قدرے پیچھے۔

ایک بنجر سا علاقہ تھا۔ اندھیری سی خاموش رات تھی۔ پھر ایک ہیولہ سا اندھیرے کو چیرتے دبے قدموں چلتا علاقے کے اندر داخل ہوتا نظر آیا تھا۔ بیچ کے ایک گھر کے آگے آ رکا۔ پھر اپنے مخصوص کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب سے کوئی نوکیلی شے نکالی۔ پھر دروازے کے لاک کے قریب کیا اور تھوڑی دیر میں دروازہ کھل چکا تھا۔ بنا

چاپ کے اندر کو داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد اس کے بازو میں ایک بچّہ تھا۔ گھر سے نکلا ہی تھا کہ اندر سے کچھ آوازیں آئیں۔ وہ فوراً آگے کو بھاگا۔

مگر بھاگتے ہی کسی نے پیچھے سے اس کے بازو پر خنجر پھینکا تھا۔ بچے کو بچاتے ہوئے وہ لڑکھڑا کر گرا۔ اس کے بازو پر خون کی ایک لکیر سی بن گئی۔ پیچھے سے کسی نے آواز سی دی تھی اور اس کے پیچھے آنے لگا کہ۔۔

اس نے دیکھا کہ آگے کی دیوار سے کوئی اور نکلا ہے۔ کوئی عورت سی۔ پیچھے والا شخص وہیں رک گیا۔ عورت نے زوردار وار کیا، اپنے خنجر سے پیچھے والے شخص پر اور وہ خنجر سیدھا اس کے گلے پر جا لگا اور وہ لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا۔ عورت فوراً کوٹ والے آدمی کے قریب آئی اور ہاتھ بڑھایا۔ آدمی ہاتھ پکڑ کر اٹھا اور آگے بڑھنے لگا۔ عورت پیچھے سے دیکھنے لگی۔

"رکو!" خالص عربی میں حکم سا دیا۔ آدمی کے چہرے پر پسینہ سا آیا مگر وہ رک گیا۔

"یہ میرا بچّہ ہے اور یہ مجھ سے چھین کر لے گئے تھے اور میں نے آخر اسے واپس حاصل کر ہی لیا۔ میری مدد کا شکریہ!" عربی میں کہہ کر واپس آگے بڑھنے لگا۔

"میں جانتی ہوں، پچھلے تین سالوں میں دوحہ،الریان،الوکرۃاور اب ام صلال محمد سے جو چودہ بچے چوری ہوئے ہیں،وہ کون کر رہا ہے؟" مسکرا کر کہا۔آدمی نے آگے سے مڑے بغیر پوچھا۔

"کون؟"

"تم!اور جانتے ہو میں کب سے تم سے ملنا چاہتی تھی؟" آگے بڑھنے لگی۔

"کون ہو تم؟" بھاری،مردانہ،سخت آواز۔

"مجھے تمہاری ماں کا افسوس ہے۔وہ ایک اچھی عورت تھی اور تمہارے سوتیلے باپ کو تڑپتے ہوتے دیکھ کر مجھے بہت سکون ملا۔وہ ایک برا آدمی تھا۔لالچی اور بے حس!" عین اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔

"کون ہو تم؟" اب بھی لہجہ ویسا ہی اکھڑ تھا۔

"نور ابنتِ عزیزہ۔عبدالرزاق!میں تمہارے گھر کے قریب دہتی تھی اور جانتی ہوں اب تم کہاں رہتے ہو۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"مجھ سے کیا کام ہے؟" مڑا نہیں۔

"میں بھی تم جیسی ہوں۔بس مجھ میں وہ طاقت نہیں تھی جو تم میں ہے۔" پھر مڑ کر پیچھے پڑے آدمی کو دیکھا اور پھر واپس آگے دیکھی۔"مجھے نہیں پتہ،تم اپنے جیسے کیوں

ان بچوں کو اغوا کر رہے ہو؟ مگر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم مل کر حکومت کریں گے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"مڑ کر نہیں دیکھو گے؟" مسکرا کر پوچھا۔ چہرے سے سیاہ رمال ہٹایا۔ وہ عمر میں عبدالرزاق سے کافی بڑی تھی۔ قریباً بیس سال۔ وہ مڑا اور بچّہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور جیب سے پٹی نکال کر بازو کو کس ّکر باندھنے لگا۔ دونوں اندھیرا چیرتے چلتے رہے۔

☆☆☆

دنیا کہتی ہے کہ چیزوں کا چھپا رہنا بہت تکلیف دہ اور چبھتا ہوا لگتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ چیزوں کا مخفی رہنا ان چیزوں کے ظاہر ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ بعد میں ملنے والی درد، تکلیف اور چبھن برداشت نہیں ہوتی۔

جنوری کا آخری ہفتہ چل رہا تھا۔ نور بیڈ پر چت لیٹی بیلکونی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ باغیچے کے اونچے درخت اس کے کمرے کی بیلکونی سے نظر آتے تھے۔ باہر سے آتی ہوائیں اس کے بھورے سیدھے بالوں کو اڑا رہی تھیں۔ اس کے بال پہلے کے مقابلے کافی لمبے ہو چکے تھے۔ سنہری آنکھوں کی چمک بیٹھ سی گئی تھی، جیسے ماند سی پڑ

گئی تھی۔اچانک دروازہ ناک کیا گیااور مریم ہاتھ میں کوئی ٹرے لئے اندر داخل ہوئی۔ ٹرے میں پیالہ اور چمچ پڑا تھا۔مریم نے سائڈ ٹیبل پر لا کرر کھ دیا۔نور مڑی نہیں،وہیں دوسری طرف دیکھتی رہی۔

"نور! نیچے تو تم آؤ گی نہیں تو میں تمہارے لئے سوپ اوپر ہی لے آئی۔"مریم اس کے ساتھ بیڈ پر آ بیٹھی۔اور ٹیبل سے ٹرے اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔نور اٹھ بیٹھی۔

"اب تم منہ کھولو گی یا میں یہ تمہارے منہ پر ہی الٹاؤں۔"نور نے آرام سے منہ کھولا اور دو چمچ پینے کے بعد واپس لیٹ گئی اور بگڑی سی شکل بنالی۔

"نور آج ایک ہفتے بعد تم بخار سے نکلی ہو۔ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمھے کھانے پینے کی اب ضرورت ہے۔"پھر رکی اور اسکی اتری ہوئی شکل دیکھی۔"اس رات تم کیوں بے ہوش ہوئی تھی؟"

"تم یہاں سے جاؤ اور پلیز دوبارہ مت آنا اور نہ کسی اور کو بھیجنا!"منہ پر کمبل ڈال لیا۔سفید رنگ پھیکا سا ہو گیا تھا۔

"نور! کیا میں اتنی بُری بہن ہوں کہ تم میرے ساتھ کچھ شیئر نہیں کر سکتی۔میں تو تمہارے سارے سیکرٹیس بھی رکھتی ہوں۔پھر تمھے مجھے کیوں کچھ نہیں بتاتی؟"وہ خفا خفا سی گلہ کرنے لگی تھی۔

نورا گرچہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہر بات پٹر پٹر بول دیتے ہیں۔دلوں میں باتیں نہیں رکھتے مگر پھر بھی ڈھیڑوں باتیں ہوتی ہیں جو ان کے دلوں میں سنبھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ایسے لوگوں کے دلوں میں تو نا جانے کتنے ہی راز دفن ہوتے ہیں۔ کتنی ہی باتیں!

"میں تمھے پہلے بول چکی ہوں۔اس دن کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔بس وہاں ہر طرف شیشوں کو دیکھ کر مجھے چکّر سے آ گئے تھے۔" آنکھیں بند کر کے بولنے لگی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہوا ہو!" مڑ کر باہر جانے لگی۔ پھر رکی۔"سوپ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا ہے۔پی لینا پلیز! ورنہ دادی جان نے آج تیسری بار میری کلاس لینی ہے۔پلیز!"

اس نے سنی ان سنی کر دی۔نہ اسکو سکون کی سی نیند آ رہی تھی، نہ کھانے پینے کا دل چاہ رہا تھا، نہ کسی سے بات کرنا چاہتی تھی، نہ کسی کو دیکھنا چاہتی تھی۔سب بس اس سے یہی پوچھ رہے ہیں کہ اس رات کیا ہو گیا تھا اسے؟ مگر وہ کیسے بتائے اس نے کیا دیکھا تھا؟ نورالعرش ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو بس ایک خواب یا خیال سے ڈر جائے۔ مگر بات جب اپنی زندگی میں بچے اکلوتے رشتوں کی آتی ہے، تو انسان اپنا آپ کھوتا چلا جاتا ہے۔اور وہ یہ خیال بھی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

آنکھیں بند کیں اور آنکھوں کی چادروں پر پھر سے وہی اس رات والا منظر لہرایا۔۔ سنہری آنکھیں سرخ آنکھوں سے ملیں اور۔۔

اندھیری سی رات تھی۔ بادل 'گڑ گڑ' گرج رہے تھے۔اس نے اپنے آپ کو محسوس کیا۔ کہیں بلکل اندھیرا سا تھا۔ سنسانی سی سنسانی تھی۔ دل پر اسے ایک عجیب بوجھ سا محسوس ہوا۔

"دادی جان! مریم!" وہ چلاّئے جا رہی تھی۔اس کا گلا چیخنے کے باعث درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ جیسے کسی خلا میں تھی، یا کوئی کمرہ سا تھا اندھیر سا، یا کوئی ریگستان سا یا کو مدان۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پھر اندھیرا ہلکا سا کم ہوا۔ دور بہت دور ایک دروازہ سا نظر آیا، سرخ رنگ کا۔ وہ بھاگی اس دروازے کی جانب۔ پھر قریب جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے لوگوں کا ایک انبار کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ سب شناسا چہرے تھے۔ سب سے پہلے اسے حلیمہ تائی اور ان کی دو بیٹیاں نظر آئیں۔

"تم بہت بری ہو نور! بہت بری!" وہ تینوں ایک ساتھ کہہ رہے تھے۔ پھر آگے بڑھی تو حلیمہ تائی کا بیٹا، سکندر تایا اور زرینہ تائی کھڑی خفا نظروں اور نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"نور تم سے ہمیں یہ امید نہیں تھی۔ تم بہت بری نکلی!" وہ غم و غصّے میں کہہ رہے تھے۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپکے اور وہ آگے کو بڑھی۔ آگے حبیب اور عثمان اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ دونوں اسے غم کی سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"نور یہ تم نے کیا کر دیا؟ بہت برا کیا تم نے!" وہ رونے لگی مگر پھر آگے کو بڑھی۔ تو آگے اس کے ماں باپ کھڑے تھے۔ مگر ان دونوں کی آنکھوں میں نہ غم تھا، نہ غصّہ۔ بس افسوس تھا!

"چچ چچ! ہمیں افسوس ہے تمھے اپنی بیٹی کہتے ہوئے۔" اس نے چلا چلا کر رونا شروع کر دیا۔ آخر اس نے کیا کیا تھا؟ پھر آگے بڑھی اور اس کا سانس وہیں اٹک گیا۔ آگے زمین سی تھی۔ سخت زمین۔

زمین پر مریم اور دادی جان دونوں گرے پڑے تھے۔ دونوں کی آنکھیں جامد تھیں اور منہ سے خون بہے جا رہا تھا۔ دونوں کے پیٹوں میں خنجر سا گھسا تھا۔ وہ جھکی اور دونوں کے چہرے تھپتھپانے لگی۔

"نہیں نہیں! آپ دونوں مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے! کبھی نہیں!" وہ روتے روتے چلائی۔

"یہ تم نے کِیا ہے۔ تم نے!" سب اس کے پیچھے کھڑے افساس سے کہہ رہے تھے۔

"نہیں میں نے۔۔"اس کے منہ سے الفاظ تک نہ نکلے۔ مگر پیچھے سب کہے جا رہے تھے اور کہے جا رہے تھے۔۔

"میں نے کچھ نہیں۔۔کچھ۔۔"وہ چلائی تھی۔زور سے۔جتنا تیز وہ چلا سکتی تھی۔

اس نے پھر اپنے آپکو بے ہوش ہوتے پایا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسی بستر پر تھی۔ اسکی آنکھ سے آنسو بہا اور منظر گو ہوا میں تحلیل ہو گیا۔۔

☆☆☆

اگلی صبح بھی ویسی ہی تھی۔انجان سی، گمنام سی۔نور خاموش تھی تو گو سارے گھر میں سکوت سا پھیلا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی آ کر چکّر لگا جاتا اور اسے دیکھ لیتا۔ دادی جان دن میں صرف دو بار ہی آتی تھیں کیونکہ وہیل چیئر کو بار بار اوپر نیچے کرنا ٹھیک نہیں تھا۔مریم اس کے بیڈ کے سامنے صوفے پر ہی سو جاتی کہ کہیں رات کو نور کو پانی کی بھی ضرورت پڑے تو، اسے اٹھنا نہ پڑے۔

حبیب ظہر کی نماز پڑھ کر اس کے پاس آ جاتا۔نور جاگ بھی رہی ہوتی تو اپنے آپکو سونے میں ڈال دیتی تاکہ وہ کوئی بات نہ کرے۔وہ بیلکونی میں تھوڑی دیر بیٹھ جاتا پھر چلا جاتا۔سب کی غیر موجودگی میں نور وہیں بیٹھی بیلکونی کے پار دیکھتی رہتی یا پھر موبائل اٹھا لیتی۔

آج بھی ظہر کی نماز پڑھ کر حبیب اس کے کمرے میں آیا تھا اور آتے ہی بیلکونی کا دروازہ کھول دیا۔ موسم ٹھنڈا تھا اور بادل ہر طرف پھیلے تھے۔ ہواؤں کا ایک انبار اندر کو آیا۔ نور کے بھورے بال اڑے۔ حبیب بیلکونی میں نکل گیا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر نور زیادہ بات نہ کرے اور گھر آئے مہمانوں کو بور کرے، تو اسے چائے میں زہر ڈال دو۔" نور آنکھیں بند کئے خاموش رہی۔ پھر حبیب دوبارہ گویا ہوا۔

"اور نیچے تمہاری کوئی عائزہ نامی دوست بھی آئی ہے۔ وہ مریم اور دادی جان کے ساتھ بیٹھی ہے۔" نور کی آنکھیں کھلیں۔

"وہ کیوں آئی ہے؟" آواز میں اب بس زرا سی نقاہت تھی۔ حبیب اب باہر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، اپنی مخصوص مسکراہٹ سے چہرہ سجائے۔

"خاتون صاحبہ! وہ پچھلے ہفتے سے لگاتار آرہی ہے۔ مگر جس وقت بھی وہ اوپر آتی، آپ آرام فرمارہی ہوتیں تو وہ واپس چلی جاتی۔" وہیں کھڑے تیز آواز سے بولا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" بنا مسکرائے پوچھا۔

"کہہ رہی تھی کہ آپکی یونیورسٹی آپکو بہت مِس کر رہی ہے اور جب آپکا یہ 'آرام ڈرامہ' ختم ہو جائے تو پلیز یونی تشریف لے آیئے گا کیونکہ آپ آلریڈی ہفتے بھر کی

چھٹّی کر چکی ہیں۔"اس نے سفید شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور وہ بہت دمک سا رہا تھا۔نور مسکرائی۔پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اوہ!توفائنلی نورالعرش صاحبہ نے اپناڈرامہ ختم کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے،ہوں؟"

نور نے بس سر بیڈ کے سرے سے ٹکادیا۔

"میں اب بہتر فیل کر رہی ہوں۔"اوپر چھت کو دیکھنے لگی۔وہ باہر سے اندر کی طرف آیااوراس کے بیڈ کے بلکل سامنے آرکا۔نور نے نظر اٹھاکر دیکھا،وہ مسکرارہاتھا۔

"باہر چلیں؟"اس نے مسکراکر پوچھا۔نور کی نظراس کی مسکراہٹ پر ہی تھی۔وہ مسکراتے ہوئےاچھا لگتا تھا۔

"کہاں؟"آواز میں نقاہت اب قدرے کم تھی۔

"کسی مال وغیرہ۔۔آئی مین تم یہاں ایک ہفتے سے بیڈ پر بیٹھے بیٹھے بور نہیں ہوئی؟"پھر مڑ کر بیلکونی کادروازہ بند کیا۔ٹھنڈی ہوؤں کارستہ بند ہو گیا۔وہ اس کی بات پر مسکرائی۔

"دادی جان نہیں چھوڑیں گی۔"اب اسکی نظر سامنے دروازے پر تھی۔

"ویسے تمہاری بہن کس کام آتی ہے؟"نور ہنس دی۔

"شرم کرو۔تمہاری ہونے والی بھابھی ہے۔"وہ بھی ہنسا تھا۔

"اوکے ،میں دادی جان سے پر مشن لیتاہوں پھر چلتے ہیں، تمہارا موڈ بھی چینج ہو جائےگا۔ تم ریڈی ہو جاؤ!" کہہ کر وہ باہر نکلنے لگا۔

"شیور!" اور وہ پیچھے سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ایک وہی تھا جو اسے کنوینس کر سکتا تھا۔ پھر وہ اٹھی اور اسے جیسے چکّر سے آنے لگے۔اتنے دنوں سے وہ اسی گرم بستر میں لیٹی تھی،ایسا تو ہونا ہی تھا۔الماری سے کپڑے نکال کر واشروم چلی گئی۔چال میں اب بھی کچھ حد تک نقاہت سی تھی۔

☆☆☆

اس ٹھنڈی صبح میں وہ دونوں 'گیگامال' میں آوارہ گردی کر رہے تھے۔ سکندر اور عثمان اپنے چند پاکستانی دوستوں سے ملنے چلے گئے اور زرینہ اور مریم دادی جان کے پاس رکے تھے سو وہ دونوں ڈرائور کے ساتھ اکیلے ہی تھے۔ڈرائور باہر گاڑی میں ہی بیٹھا تھا۔

نور وہاں کئی دفعہ آچکی تھی مگر آج اسے کچھ مختلف سا لگ رہا تھا۔درمیانے فلور پر موجود گیمنگ زون پر پہنچ کر نور کی آنکھیں چمکیں۔دونوں مسکراتے ہوئے اندر گھسے۔ حبیب نے دیکھا وہ عام لڑکیوں کی طرح 'باربی گیمز' کے پاس نہیں گئی بلکہ وہ 'کار

ریسنگ 'والی مشین کے پاس گئی۔ کچھ دیر وہ اور حبیب دونوں مقابلہ کرتے رہے جس میں نور جیت گئی۔ پھر آگے وہ ایک 'کلا مشین' کے پاس آرکی۔

('کلا مشین' ایک ایسی مشین ہوتی ہے، جس میں عموماً بھالو، گڑیا یا پھر چاکلیٹس بھری ہوتی ہیں۔ پیسے اندر ڈالنے پر مشین ایکٹِو ہو جاتی ہے اور ہم اسے بٹنوں سے کنڑول کر کے اندر سے کچھ بھی نکال سکتے ہیں سکتے ہیں۔ زیادہ تر ایسی مشینز پرو گریمڈ ہوتی ہیں اور مشکل سے کوئی بھی چیز نکل پاتی ہے، مگر کچھ نہیں بھی ہو تیں۔)

اس کے سامنے آکر نور نے اپنے کلچ سے ایک کریڈٹ کارڈ سا نکالا اور پیسوں والی جگہ پر اسے سوائپ کر دیا۔ پھر مشین کے قریب آئی اور اس کے بٹن سے اسکو کنڑول کرنے لگی۔ پہلے کلا (ہینڈلر) کو نیچے لے کر گئی اور ایک پیارا سا یونیکورن آرام سے اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے اس کے فوکس کا اندازہ ہو رہا تھا۔ آرام آرام سے اوپر لائی اور لمحے بھر کو چھوڑ کر موڑنے لگی مگر۔۔ مگر پھر وہ واپس نیچے گر گیا اور نور کی باری ضائع ہو گئی۔ پھر اس نے دوسری باری لی اور ایسے ہی کیا مگر پھر سے اسے نکالتے وقت وہ واپس گر گیا۔ اس نے برا سا منہ بنا کر حبیب کو دیکھا۔

"حبیب آگے ہوا اور نور خفہ سی پیچھے ہو گئی۔ "Let me try once!"

اس نے اپنے والٹ سے پیسے نکال کر مشین میں ڈالے۔ مشین ایکٹیویٹ ہو گئی۔اس نے پہلے آرام سے کلا کو نیچے کیا۔ مشین نے اس بھالو کو اپنے پنجوں میں جکڑ لیا جو نور اٹھانا چاہتی تھی مگر ناکام ہو گئی تھی۔ مشین کو لمحے بھر کیلئے بھی چھوڑے بغیر،وہ آہستہ آہستہ موڑ کر اسے ایک ڈبے کے قریب لایا اور پھر اس میں پھینک دیا۔بھالو مشین کے نیچے کی سراخ سے باہر آ گیا۔

"آآآآآ،یس س س!!!،یہ تم نے کیسے کیا؟"نور خوشی کے مارے چلائی اور سب مڑ مڑ کر اسے ہنستے ہوئے دیکھنے لگے۔حبیب نے بھالو اٹھایا اور اسے تھما کر ہنستے ہوئے ،اپنے دماغ کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ دونوں گیمنگ زون سے باہر نکل رہے تھے۔نور ویسے ہی خوشی سے چلاتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ حبیب مسکرا کر مڑا۔

"نور تم ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو،ایسے ہی ہنستی رہا کرو!" کہہ کر تھوڑا آگے بڑھ گیا۔اور نور تو جیسے وہیں رک گئی۔ہنسنا بھی بھول گئی۔ مسکراہٹ سمٹ گئی۔ حبیب مڑا۔

"چلو اب فوڈ کورٹ چلتے ہیں، بھوک لگ رہی ہے۔"وہ آگے بڑھنے لگی۔

فوڈ کورٹ تک آتے دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی پھر ایک ریسٹورانٹ کے آگے کھڑے ہو کر حبیب گویا ہوا۔

"تم۔۔کیالو گی؟"کاؤنٹر پر کھڑے اس نے نور کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔اس نے آرڈر نوٹ کروایا۔

"اور ایکسٹرا،ایکسٹرا،ایکسٹرا اسپائسی!!"مزے سے بولی۔کاؤنٹر والا بندہ ہنس پڑااور حبیب بھی۔پھر دونوں آگے جاکر ٹیبل پر بیٹھ گئے۔نور موبائل نکال کر بیٹھ گئی۔

"نور!"اس نے دیکھے بغیر بس "ہوں؟"کیا۔

اگلے ہفتے حلیمہ پھوپھو آرہی ہیں۔"اور نور تو جیسے جھٹکے سے اوپر دیکھی۔

"کیوں؟وہ کیوں آرہی ہیں؟"آواز میں سختی سی در آئی۔

"مریم اور عثمان کی شادی کے لئے۔آج یا کل ممی پاپا تاریخ لیں گے۔"اور نور تو جیسے سکتے میں ہی رہ گئی۔

"مگر۔۔مگر اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ابھی صرف منگنی بھی تو ہوسکتی ہے نا؟ شادی چند سال بعد بھی تو ہوسکتی ہے۔"اسے جیسے حبیب کی بات سے تکلیف ہوئی تھی۔

"عثمان چاہتا ہے کہ وہ اب شادی کرلے اور ممی چاہتی ہیں کہ میرے قطر جانے سے پہلے کرلے۔"ساتھ ہی ویٹر کھانہ لے کر آگیا۔نور خاموش رہی،ویٹر گیا تو وہ بولی۔

"حبیب مریم کے جانے کے بعد میرا اور دادی جان کا کیا ہو گا؟ ہم دونوں تو بلکل اکیلے سے پڑ جائیں گے۔" دونوں نے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ حبیب زرا آگے کو ہوا۔

"نور! اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پھر تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم اکیلی پڑ جاؤ گی۔" زرا کو رکا، پھر بولا۔ "پاپا تو دادی جان کو مسلسل اسی بات پر اِنسسٹ کر رہے ہیں کہ وہ بھی تمھے لے کر اپنے امریکہ والے گھر میں شفٹ ہو جائیں۔ مگر۔۔" نور نے اس کی بات کاٹی۔

"ایک منٹ۔۔ دادی جان کا امریکہ میں کوئی گھر نہیں ہے۔" اور حبیب کے گو تاثرات بدلے جیسے اسے نور کی بات پسند نہ آئی ہو۔

"کیا ہمارا گھر دادی جان کا نہیں ہے؟"

"آ۔ہاں۔ نہیں۔ میرا وہ مطلب۔۔" پھر خود ہی خاموش ہو گئی۔ مگر اسے اسکی بات اچھی لگی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ایسا لوِنگ سا تھا۔

"لیکن میں فورس نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر وہ ہمارے ساتھ کمفورٹیبل نہیں ہیں تو انکی مرضی!" پھر زرا رکا۔ "ویسے اگر تمہاری اجازت ہو تو کھانہ شروع کریں؟ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

New Era Magazine

"ہاں شیور، مجھے بھی۔" پھر دونوں نے اپنا اپنا کھانہ شروع کیا۔ نور کی طبعیت اور موڈ دونوں بہت بہتر ہو گئے تھے۔ اسے اس لڑکے کے ساتھ وقت گزارنا جیسے بہت اچھا اور پر سکون لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

گھر بلکل سونا سونا سا تھا۔ گو کوئی بھی نہ ہو۔ پھر دادی جان کے کمرے میں آؤ تو وہاں سب موجود تھے، سوائے نور اور حبیب کے۔ (جتنی بھی خاص باتیں ہوا کرتی تھیں، وہ سب دادی جان کے کمرے میں ہی ہوتی تھیں۔ کیونکہ باہر لاؤنج اور کچن میں ملازم اور خانساماں بار بار کام سے آتے جاتے تھے اور دادی جان گھر کی کوئی بات ان کے سامنے کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔)

دادی جان اور مریم دونوں بیڈ پر تھے جبکہ سکندر، زرینہ اور عثمان سامنے صوفے پر براجمان تھے۔ دادی جان اور مریم کے چہروں پر واضع غیر آرام دہ سے تاثرات تھے۔

"مگر اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں کچھ وقت تو دو تیاری کا!" دادی جان خفہ خفہ سی بولیں۔

"ممی! یہ عثمان کی مرضی ہے۔اگر آپکو پھر بھی کوئی اعتراض ہے تو کوئی بات نہیں، ہم کچھ تاخیر کرلیں گے مگر ہم چاہتے ہیں کہ حبیب کے جانے سے پہلے ہی یہ شادی ہو جائے۔"سکندر نرم سے لہجے میں بولے تھے۔

"مگر یہ بہت جلدی ہے۔ہمیں تیاری کا موقع تو دو!"دادی جان پریشان سی ہو گئیں۔

مریم نے آنکھیں زور سے میچیں،اسے تکلیف سی ہوئی تھی ان باتوں سے۔

"کیسی تیاری دادی جان؟ہمیں بس آپکی بیٹی چاہیے زندہ سلامت۔اور بس!"عثمان آرام سے بولا۔

"نہیں بیٹا،ایسے تھوڑی۔۔"دادی جان اپنی بات پر اکڑیں تھیں۔عثمان صوفے سے اٹھ کر دادی جان کے قدموں میں آبیٹھا۔

"دادی جان(لہجہ گو موم جیسا)آپکو کوئی تیاری نہیں کرنی۔بس آپ اپنی بیٹی دے رہی ہیں نہ،اس سے بڑھ کر کیا ہوگا؟"دادی جان نے اس کے گالوں پر ہاتھ رکھے۔

"بیٹا ایسے تو نہیں ہوتا نا!سب لوگ کیا کہیں گے؟"وہ بہانوں پر بہانے بنائے جارہی تھیں مگر عثمان کے پاس انکے ہر بہانے کا توڑ پہلے سے موجود تھا۔

"دادی جان کون لوگ؟کسی کی اتنی جرات نہیں ہے،جو آپکے بچوں کی زندگی میں آپکو کچھ کہے!"لہجہ تھوڑا سخت ہو گیا تھا۔

"امیّ! آپکو کسی بات کی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ مریم ایک ملک سے دوسرے ملک نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر جارہی ہے۔" اور یہ وہ پہلی بار تھی کہ مریم نے اعتراض بھری نظروں سے سر اٹھایا۔

ایک ملک سے دوسرے ملک؟؟ کیا وہ دادی جان اور نور کو چھوڑ کر یوں سمندر پار چلی جا ئگی؟ مگر بولنے کی ہمّت نہ ہو سکی۔ دادی جان نے بھی فکر مندی سے پہلو بدلا۔ مگر بولیں کچھ نہیں۔

اچانک دروازہ بجا اور پھر کھلا۔ نور اور پیچھے حبیب اندر آتے دکھائی دیا۔

"اسلام علیکم!" نور مسکرا کر بولی۔ سب نے دیکھا، اس کے چہرے کی تمام نقاہت کہیں نظر نہیں آتی تھی اور موڈ بھی اب بہتر لگتا تھا۔ وہ دل سے مسکراتی ہوئی آگے آئی اور دادی جان، سکندر اور زرینہ کے گلے لگی۔ عثمان کو دادی جان کے گھٹنوں میں بیٹھا دیکھ کر بس مسکرا دی اور پھر مریم کے ساتھ آبیٹھی۔ سب کے چہروں سے پریشانی کے آثار غائب تھے اور سب مسکرا رہے تھے اب۔

"کیا ہوا 'بڑو'؟ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بجے ہیں؟" مریم سے آہستہ آواز میں پوچھا۔

اب سب حبیب سے مال کا پوچھ رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا بس ویسے ہی۔ تم چائے پیو گی؟" مریم نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کافی لادو!"مریم نے منہ سابنایا۔

"اور تم ہمیشہ میری کافی کی برائی کرتی ہو۔"نور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ تو اب بھی کروں گی۔سو تم مت بنانا،پلیز!عمران چاچا کو کہنا۔"اور موبائل کلچ سے نکالے بیٹھ گئی۔

"نور تم میں زرا بھی ادب لحاظ نام کی چیز نہیں ہے۔"نور کے کان پر جوں بھی نہ رینگی اور بولی۔"تھینک یو!میں جانتی ہوں"

☆☆☆

گھر میں سب سو رہے تھے،حتیٰ کہ نور العرش بھی اپنے کمرے میں تھی۔دادی جان، سکندر،زرینہ اور حبیب تو کب کے سونے جا چکے تھے۔مگر اس پہر میں بھی اوپر چھت پر کوئی تھا۔رات کے اندھیرے کو چھت پر جلتی ہلکی بتّی نے مدھم کر رکھا تھا۔تبھی باہر سے دیکھو تو اوپر چھت کی چھوٹی دیوار پر کوئی ٹانگیں باہر کی طرف لٹکائے بیٹھا تھا۔پھر پیچھے کوئی اور بھی آتا دکھائی دیا۔

"یہ لو کافی!"ہاتھ میں پکڑے دو مگ میں سے مریم نے ایک مگ عثمان کو پکڑایا۔

"تھینک یو!"ہاتھ مل کر اس نے کافی کا مگ تھاما۔مریم بھی س کے ساتھ ہی ٹانگیں باہر کو لٹکائے آبیٹھی۔

"خیال سے!" ساتھ ہی مریم کا بازو پکڑ کر اسے آرام سے بٹھایا۔دونوں بس خاموشی ہی رہے۔سامنے نظر آتے بنگلے دیکھتے رہے۔اور چھت سے کچھ نیچے تک آتے درخت۔اور ٹھنڈی ہوا اور سکون کو محسوس کرتے رہے۔

"عثمان شادی کے بعد امریکہ جانا ضروری ہے؟" مریم نے برف توڑی۔عثمان کچھ دیر خاموش ہی رہا۔

"تم نہیں جانا چاہتی؟"

"نہیں،ایسی بات نہیں ہے۔میں جانتی ہوں کہ سارا بزنس وہیں سیٹل ہے اور وہاں جانے کی بس ایک یہی وجہ ہے۔" پھر رکی۔" مگر میرے جانے کے بعد نور اور دادی جان اکیلے ہو جائیں گے۔"

وہ خاموش رہا گو وہ چاہتا تھا کہ مریم بولے۔وہ اسے سننا چاہتا تھا۔وہ پھر گویا ہوئی۔

"دادی جان کو پہلے بھی ہرٹ اٹیک آچکا ہے اور دوبارہ آنے کا بھی خطرہ ہے۔نور بہت لاابالی سی۔۔"

"ہم ان کو بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں نہ۔" عثمان نے کافی کا سپ لیا۔

"میں دادی جان کو بہت بار کہہ چکی ہوں مگر وہ نہیں جانا چاہتیں۔ نور میرے ساتھ اٹیچ ہے، میرے جانے کے بعد وہ بہت اکیلی سی پڑ جائے گی۔" دونوں سامنے ہی دیکھ رہے تھے۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" اس نے مریم کو دیکھا۔

"پتہ نہیں۔۔ میں خود بھی نہیں جانتی مگر میں بہت۔۔ گھبرائی ہوئی ہوں۔" اس کے چہرے پر واضح تشویش سی تھی۔

"کیا تمہے مجھ پر یقین نہیں ہے؟" وہ اب درخت کے اوپر بنے ایک گھونسلے کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے آپ پر پورا یقین ہے۔ مگر مجھے اپنے اس فیصلے پر بھروسہ نہیں ہے۔ کیا واقعی مجھے ان دونوں کو چھوڑ کر اتنا دور چلے جانا چاہیے؟"

"مریم! تم۔۔ اگر چاہو تو شادی کے بعد ادھر واپس آجانا۔" اور مریم کے چہرے سے ساری پریشانی اور گھبراہٹ جسے غائب ہی ہو گئی۔

"سچ؟" عثمان نے پہلی بار اسے یوں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ جیسے سکون کی سی مسکراہٹ۔ "ہوں۔" وہ بھی مسکرا دیا۔

"مگر دادی جان نہیں مانیں گی۔" چہرے پر ہلکی اداسی در آئی مگر پہلے جیسی نہیں۔

New Era Magazine

"انکو منانا تمہارا کام ہے۔بس میری طرف سے کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔" عثمان اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس نے جلدی سے اپنی کافی کے گھونٹ بھرے اور ختم کی۔

"میں چلتی ہوں۔اب رات۔۔دیر ہو گئی ہے۔" کہہ کر وہ اٹھ گئی۔ عثمان اسے جاتا دیکھتا رہا۔وہ اسکے فیصلے سے خوش نہیں تھا لیکن اگر مریم کو سکون تھا تو اسے بھی سکون تھا۔پھر واپس آگے دیکھنے لگا اور گرم کافی اندر انڈھیلنے لگا۔

☆☆☆

رات کے ابھی کہیں پہر بچے پڑے تھے۔چھت کی زمین سے نیچے کو جاؤ تو دیکھو بہت سے کمرے بنے ہیں۔سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے۔عثمان کے کمرے میں موبائل کی ہلکی روشنی سی تھی۔وہ رات کے وقت دن بھر کی تمام خبریں پڑھا کرتا تھا۔پھر مریم کے کمرے میں آؤ تو وہاں بلکل اندھیرا تھا مگر وہ سو نہیں رہی تھی،اس کی آنکھیں کھلیں تھیں اور وہ کچھ سوچ رہی تھی۔پھر قریب والے حبیب کے کمرے سے گزرو تو وہاں بھی اندھیرا ہی تھا، مگر وہ سویا پڑا تھا۔

تبھی آگے ایک کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔اور یقیناً وہ کمرا نور کا ہی تھا۔نور کا سائڈ لیمپ آن تھا اور وہ جاگ رہی تھی۔ہاتھ میں کتاب پکڑے وہ بہت انہماک سے

اس کے اندر گم تھی۔کتاب وہی جو اس دن خود اس کے پاس آئی تھی۔یا شاید اس کے سر پر آ گری تھی۔

بودریا: شیطان البحر:

تم ہو گئے ہو داخل ایک عجب دنیا میں۔۔

جو نہ بستی ہے یہاں، مگر ہے اسی دنیا میں۔۔

تم چاہو تو بھی ملے گی نہیں مگر۔۔

تم کو جب تک وہ خود چاہے گی نہیں۔۔

یہ دنیا ہے بودریا کی۔۔

وہ جو تھا سمندروں میں ڈھکا شیطان۔۔

مگر میں بتاؤں تم کو ایک راز کی بات۔۔

وہ تو کوئی بھی نہیں ہے مگر ہے۔۔

ایک خیال سا، ایک گمان سا۔۔

ایک معمّہ سا، جسے سلجھانا ہے تم کو۔۔

وہ تو بس ایک گروہ ہے۔۔

ان عجب سے لوگوں کا۔۔

جو رہتے تھے سمندر کی قربت میں۔۔

سمندر بھی موتیوں کے جزیرے سے آتا۔۔

جو ملتا ہے کہیں ریاستوں سے۔۔

وہ گروہ عام نہیں،ان میں کچھ تھا۔۔

کچھ تھوڑا زیادہ، کچھ تھوڑا خاص۔۔

مگر کوئی نہیں جانتا۔۔

رہتے ہیں کہاں،وہ بستے ہیں کہاں۔۔

بس میں جانتا ہوں،ان کے۔۔

پاس ہے کیا خاص۔۔

اور وہ راز بتاؤں تمہے،انکے پاس۔۔

ہے وہ کچھ،جو نہیں پاس تمہارے۔۔

کیا چاہو گے جاننا ان کا ٹھکانہ۔۔

تو چلو چلتے ہیں وہاں۔۔

(بودریا: شیطان البحر- صفحہ 1تا4)

اور نور نے ایک جھٹکے سے اس کتاب کو بند کر دیا۔اسے جیسے اس کتاب سے بہت چبھن ہونے لگی۔لو بھلا! کوئی ایک ہی بات کو اتنااا کھینچ کر کرتا ہے؟ چھوٹی سی بات کو کھینچ کر 4 صفحے بنا دیے۔اس سے تو اچھا تھا وہ سو ہی جاتی۔اس نے کتاپ واپس سائڈ ٹیبل پر رکھی اور لیمپ بند کر دیا۔پھر تھوڑی دیر بعد تمہے اس کے موٹے موٹے سانسوں کی آوازیں آئیں گی۔وہ سوچکی تھی۔

☆☆☆

نیوائیر نائٹ سے 3 دن پہلے:

اسلام آباد کے ایک الیٹ کلاس علاقے میں شام خاموشی سے اتر رہی تھی۔آسمان ہر طرف کاسنی رنگ سا برسا رہا تھا۔ تبھی وہاں بنے گراؤنڈز میں زرا شور سا بلند ہوا، جو شاید چند لمحوں کے لئے ہی تھما تھا۔

"آؤٹ ہے!!" کم عمر بچے کرکٹ کھیلتے چلا رہے تھے۔ گراؤنڈ کے آدھے لوگوں کے چہروں پر اداسی تھی اور آدھے خوشی سے چلا رہے تھے۔جیتنے والی ٹیم کے چہروں پر مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں تھیں۔اور ہارنے والی ٹیم کے چہروں پر ڈھیروں اندھیرا اترا ہوا تھا۔ بیٹس مین تو ابھی بھی حیران پریشان سا کھڑا تھا۔آخر وہ ہار کیسے گئے۔آخر بیٹس مین تھوڑا اسنبھلا اور بیٹ زور سے اٹھا پٹخا۔

"You guys are just cheaters!"

بیٹ پٹخنے والا چھوٹا بچّہ غصّے سے پانی پانی ہوتے بولا۔

"Loosers are the excusers!"

ایک دوسرا کم عمر بچہ مزاک اڑاتے ہوئے بولا۔ سب اسکی بات پر ہنسنے لگے۔

تبھی ان بچّوں سے تھوڑا دور پڑی بینچ پر ایک ٹین ایج کا لڑکا بیٹھا نظر آتا تھا۔ کسی غیر مرئی نکتے پر نظر جمائے وہ ناجانے کیا سوچ رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کے کش مارتا وہ اب ان بچّوں کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے سے بری طرح پریشان سا لگ رہا تھا۔ اس دسمبر کی ٹھنڈ میں بھی اس کے ماتھے سے پسینے کے ٹپکے بہہ رہے تھے۔

کہنے کو تو وہ سامنے بچوں کو دیکھ رہا تھا مگر جب اسکی نظروں سے دیکھو، تو وہاں بہت کچھ تھا۔ اسے سامنے چلتے لوگ نظر آرہے تھے۔ عجیب لوگ تھے، مختلف لباس پہنے، کوئی بچے، کوئی بوڑھے، کوئی جوان۔ مرد بھی عورت بھی۔ لگتا تھا جیسے مختلف زمانوں کے لوگوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے۔

سب ادھر ادھر چل رہے تھے۔ کوئی آگے، پیچھے، دائیں، بائیں۔ اور وہ ایک دوسرے سے ٹکرا بھی نہیں رہے تھے۔ بس ایک دوسرے کے اندر سے گزر رہے تھے، جیسے ہوا سے وجود ہوں۔ آسمان کو دیکھو تو وہ بھی نیلا یا سفید نہیں تھا۔ آسمان پر مخصوص

مختلف رنگ آجا رہے تھے۔ کبھی نارنجی، کبھی بھورا، کبھ سیاہ ہو جاتا تو کبھی کاسنی سا لگتا۔ جیسے زمانے بدل رہے ہوں اور اس میدان پر لوگ گزر رہے ہوں۔ کوئی کس سن کا، تو کوئی کس سن کا۔

"آہ!!" وہ لڑکا کراہا۔ جیسے کچھ تکلیف ہوئی ہو، مگر اسے محسوس ہوا، ہاتھ میں پکڑی سگریٹ جل جل کر اسکی انگلیوں کی پوروں تک آ پہنچی تھی۔ اسنے جلدی سے ہاتھ کھولا اور راکھ نیچے گرائی، پھر ہاتھ ہلکا سا جھاڑا۔

وہ جیسے کسی اور دنیا سے ایک دم یہاں واپس آگیا تھا۔ چہرے پر ابھی پہلے سے بھی زیادہ پسینہ تھا۔ اسکو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

ناجانے وہ کیوں اس طرح بیٹھے بٹھائے الگ الگ جگہوں پر جا پہنچتا؟ وہ کیا کیا سوچنے لگتا اور کس کس کو دیکھنے لگتا؟ کیا سب اسکے بارے میں صحیح تھے کہ وہ پاگل ہے اور اسے دماغی علاج کی ضرورت ہے؟

وہ خود بھی کچھ سمجھ نہیں پایا اپنے آپکو۔ جوں جوں اسکی زندگی کے دن کٹتے جا رہے تھے، اسکی یہ کیفیت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آخر ایسا کیا تھا اسکے اندر؟

"عالیان بھائی! آپ بتائیں آؤٹ تھا کہ نہیں؟" بچوں کا گروہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔ اسنے نظر اٹھا کر دیکھا۔

بچے سوالیہ نظروں سے عالیان کو دیکھ رہے تھے۔وہ اٹھا اور بس بھگتا ہوا اس گراؤنڈ سے چلا گیا۔

بچے اب پھر ویسے ہی لڑنے لگے۔

☆☆☆

دو دن بعد کی بات کرتے ہیں۔موسم اب پہلے جیسا ٹھنڈا نہ رہا تھا۔سردی نے ابھی واپسی کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر گرمی نے اس پر غالب آنے کی تیاری شروع کر رکھی تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔کیا کبھی رکا تھا کسی کے لئے؟

نورالعرش اپنی یونی میں موجود تھی۔روزمرہ کا معمول چل رہا تھا۔کلاسز ہو رہی تھیں۔ایک ختم ہوتی تو دوسری کا شروع ہونے کا وقت آن پہنچتا۔یونی ورسٹی کی بلند و بالا عمارتوں کے باعث دھوپ کے رستے میں رکاوٹ آرہی تھی۔اور صرف لان کے وسط میں ہی دھوپ تھی۔جہاں لڑکے اور لڑکیوں کا انبار بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا۔ہر طرح اور طبقے کے لڑکے لڑکیاں ایک آسمان تلے جمع تھے۔

نورالعرش اپنی کلاس سے نکلتی نظر آرہی تھی۔ساتھ عائزہ اور دو اور لڑکے تھے۔ایک لڑکا نور سے بات کر رہا تھا جبکہ عائزہ اور دوسرا لڑکا دونوں انہماک سے سن رہے تھے۔پھر جو لڑکا بات کر رہا تھا،نور سے ہاتھ ملا کر مڑ گیا اور دوسری جانب جانے لگا۔

New Era Magazine

اس کے پیچھے کو دوسرا لڑکا بھی لپکا۔ارتضیٰ آج کہیں نظر نہیں آتا تھا۔سب لوگ بھول بھی گئے تھے کہ نیوائرا ونگ کو کچھ ہوا تھا۔نورا کثر ایسے ہی لڑا کرتی تھی اور دو دن بعد کسی کو کچھ یاد نہ ہوتا تھا۔سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن تھے۔وہ دونوں اب وسط میں بنے ایک بڑے سے فوارے کے گرد بنی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔

"اچھا،اب یہ بتاؤ کہ اسائمنٹ کس کی چرائی ہے؟"اور نور غصّے سے اسے دیکھی۔

"میں بیماری سے ابھی ٹھیک ہوئی ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرے ہاتھ اب کام نہیں کرتے۔"عائزہ ہنسی۔

"نہیں میرا مطلب تھا کہ اس دن تو تم کہہ رہی تھی کہ تمھے اس بارے میں کوئی آئڈیا نہیں ہے اور آج تمھے اسائمنٹ میں فل مارکس ملے ہیں۔"پھر رکی۔"تو لڑکی اب بتا بھی دو کہ کس سے بنوائی ہے؟"

"دیکھو میں ایک اچھی لڑکی ہوں اور میں اس قسم کے کام نہیں کرتی۔"خالص جھوٹ زبان پر لائی۔

"وہ تو مجھے پتہ ہے کہ تم کتنی اچھی ہو لیکن تم نے اپنی اسائنٹ کی ساری معلومات کہاں سے لی ہے؟"عائزہ اب بھی اسے کریدنے لگی۔

"پڑھناپڑتاہے لڑکی پڑھنا۔۔ایسے ہی مارکس نہیں لے لیئے۔۔راتوں کو جاگ جاگ کرپڑھائی کی ہے۔۔دن رات لائبریری کے چکّر لگائے ہیں۔"جھوٹ کے ساتھ سچ ملا کر بن گیا، مہاسچ! پھر تاثرات سخت کیئے۔

"اور اگر تم نے اس بارے میں مجھ سے بس ایک اور سوال کیا تو اپنی جان سے جاؤ گی۔"

"اچھا اچھا پتا ہے مجھے۔یہ بتاؤ تمہارے گھر میں کون آیا ہوا ہے؟"اب سوال کی نوعیت مختلف تھی مگر انہاک ویسا ہی تھا۔

"سکندر تایا اور ان کی فیملی!"اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟پہلے تو میں نے کبھی نہیں دیکھا ان سب کو؟"اس نے گومنہ سا بنایا۔

"وہ ایکچولی! مریم کی شادی کے لئے پاکستان آئے ہیں۔وہ سب امریکہ میں رہتے ہیں۔"اب اپنے ناخن کترنے لگی۔

"کیا؟؟مریم کی شادی ہو رہی ہے؟"وہ تحیر سے بولی۔

"ہاں، عثمان بھائی سے!"وہ ہنوز ناخن کترنے میں مصروف تھی۔

"چچ چچ! وہ تو بہت ہینڈسم ہے۔اور دوسرا اس کا بھائی ہے نہ؟"پہلے چہرے پر غم کے آثار آئے مگر پھر کچھ یاد آیا تو آنکھیں بڑی ہوئیں۔

"ہاں حبیب۔"نور نے اب ناخن چھوڑ دیا تھا اور غور کر رہی تھی کہ کہاں سے صحیح کٹا ہے اور کہاں سے نہیں۔

"اس کی تو کہیں بات وات نہیں ہے نہ؟"مگر نور کے جواب سے پہلے ہی بول پڑی۔"میری بات کروا دو!"

"بکومت!!وہ اس طرح کا نہیں ہے۔"پھر موضوع فوراً بدلا۔"چلو اب کلاس شروع ہو گئی ہو گی،اس چڑیل میڈم کی۔اور اگر لیٹ ہوئے تو اس کا بھاشن سننا پڑے گا۔"

دونوں ایک ساتھ اٹھے اور آگے چلنے لگے۔عائزہ کے چہرے پر واضع غم تھا اور نور نے اسے ایک زور کا مکّا رسید کیا۔

☆☆☆

اونچے درختوں والے گھر میں سب معمول کا سا چل رہا تھا۔عثمان لیپ ٹاپ لئے بیلکونی میں بیٹھا تھا،کام کر رہا تھا۔سکندر تایا باہر لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔مریم کچھ کتابیں لئے بیٹھی تھی۔(اسکی یونی ختم ہو گئی تھی مگر وہ آگے 'ایم-فل' کرنا چاہتی تھی۔)دادی جان کمرے میں ہاتھ میں ایک اور سویٹر بن رہی تھیں۔پہلے والے سے مختلف تھا۔(وہ پچھلا والا تو کب کا مکمل کر کے عمران چاچا کو دے چکی تھیں ان کے نئے پوتے کے لئے۔)پھر کچن کے پیچھے 'کچن گارڈن' میں آؤ تو وہاں مختلف پھل سبزیاں

اگی تھیں۔جنکو زرینہ مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور خانساماں کو ان کو اتارنے کی ہدایات دے رہی تھیں۔

ایسے میں گیٹ کھلا اور ایک گاڑی اندر داخل ہوئی۔ جس میں یقیناً نور تھی جو یونی سے آئی تھی۔ گاڑی سے اتر کر وہ سیدھا دادی جان کے پاس گئی،ان سے ملی پھر اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب نکلی تو کپڑے بدلے اور چہرا تھوڑا صاف سا لگتا تھا۔نیچے جانے کے بجائے وہ حبیب کے کمرے کی طرف بڑھی۔

دروازہ ناک کئے بغیر اندر گھسی۔اندر گھس کر ٹھٹکی۔ سنہری آنکھیں تحیّر کے عالم میں پھیلیں۔اندر بیلکونی سے حبیب کی آواز آرہی تھی۔دروازہ آرام سے بند کر کے تھوڑا آگے آئی تو حبیب نظر آیا۔اس کے ہاتھ میں قرآن تھا۔وہ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ نور مسکرائی اور بیلکونی کے قریب پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔وہ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

بیٹھے بیٹھے اس کا دھیان اس کی آواز پر گیا۔وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ مگر اس کی آواز بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔اصل سے بھی زیادہ!اس نے اپنے آپکو اس آواز میں گم ہوتے پایا۔اس نے آیت پر غور کیا۔

"فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔" وہ ہلکا سا ٹھٹکی۔اسے لگا جیسے اس نے یہ آیت پہلے بھی سنی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ اسے یاد بھی نہیں آخری بار اس نے قرآن کو کب ہاتھ لگایا تھا۔پھر ایک آیت گزری اور وہی آیت ریپیٹ ہوئی۔

(پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟انسان کو اس نے سوکھے گاڑے سے پیدا کیا ہے اور جنات کو آگ سے۔)

"فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔" آیت پھر سے پڑھی گئی،اور اب سے اگلی آیت پڑھی جا رہی تھی مگر اس کا دھیان اسی آیت پر تھا۔اسے یاد آیا۔یہ تو بچپن میں اسے اسکی اسلامیات کی استانی نے یاد کروائی تھی۔اس کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ سی در آئی۔

(پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟مشرق و مغرب کا مالک اور پروردگار وہی ہے۔)

"فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔" آیت پھر سے پڑھی گئی اور اسے جیسے اس آیت کو سن کر ڈھیروں سکون ملا تھا۔وہ کسی سحر میں گم ہو گئی۔

(پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں،پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے،جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔)

"فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ۔ "آواز کا رستہ رک گیا تھا۔ نور کے ماتھے پر شکنیں ابھریں مگر وہ ان آیات کے سحر سے نکل نہیں پا رہی تھی۔

(پس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟)

"نور! نور!" اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ آنکھوں کا سنہرا رنگ دھندلا سا نظر آتا تھا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں پونچھ لیں۔

"ہاں۔۔وہ۔۔میں۔۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"تمہاری آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔" وہ آنکھیں صاف کر کے اٹھی۔ "میری بھی!"

"کیا؟" وہ مسکرائی۔

"میری بھی بھیگ جاتی ہیں، جب میں سورۃ رحمان کی تلاوت کرتا ہوں۔ مگر میں جان نہیں پایا کہ وہ شکر ہوتا ہے، محبت یا پھر نا جانے کیا چیز ہوتی ہے جو دل کو اتنا موم کر دیتی ہے کہ ہماری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔" وہ بس مسکرا دی۔

(ہاں یاد آیا! اس سورۃ کا نام سورۃ رحمان ہے۔)

"تم؟ یہاں؟" وہ آگے گیا اور سامنے ٹیبل پر قرآن رکھ دیا۔

"ہاں وہ میں تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔" وہ آگے بڑھی۔

"کس بات کے لئے؟" بھنویں بھینچیں۔

"تم نے میری اسائنمنٹ میں ہیلپ کی تھی اور مجھے فل مارکس ملے ہیں۔تھینک یو!"

خوبصورت سا مسکرائی۔وہ بھی پیارا سا مسکرایا۔

"اور۔۔اور یہ میں تمہارے لئے لائی تھی۔"

آگے ہو کر ایک سنہرا پیکٹ اس کو بڑھایا۔وہ ایک چاکلیٹ تھی۔اس نے تھام لیا۔پھر مسکراہٹ اور پھیلی۔

"اوہ۔۔ تھینکس!"نور بس اسے دیکھ رہی تھی۔

"چچ۔چلیں؟"باہر کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔۔اوکے!"وہ آگے بڑھی اور پیچھے حبیب اور دونوں باہر نکل گئے۔حبیب نے نکلنے سے پہلے چاکلیٹ وہیں ٹیبل پر رکھ دی۔

☆☆☆

نیوائیر نائٹ سے 2دن پہلے:

اسلم آباد کے ایک الیٹ کلاس علاقے کے ایک کلب میں پوسٹ کرسمس پارٹی چل رہی تھی۔اندر ایک عجیب سا طوفانِ بدتمیزی مچاہوا تھا۔شوروہنگاما اپنے عروج پر تھا۔انگریزی گانوں کی آوازیں بھی اپنے جوبن پر تھں۔اندر موجود لڑکے،لڑکیاں اپنی

ہی دھن میں اچھل کود رہے تھے۔ عجیب پاگلوں کی طرح۔ کسی کو کسی کا کچھ ہوش نہ تھا۔

کچھ لوگ ڈانس فلور پر تھے، جبکہ کچھ لوگ تھوڑا دور موجود ایک چھوٹے سے بار کی ٹیبل کے آگے پڑی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ہاتھوں میں وائن گلاسز تھے جس میں موجود مشروب کی چسکیاں لگائی جا رہی تھیں۔

تبھی عالیان اس سب سے دور ایک کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ وہ باہر سے نظر آتا منظر دیکھ رہا تھا۔ باہر گاڑیوں کا ایک ڈھیر ہی لگا تھا پارکنگ میں۔ کچھ لوگ اپنی گاڑیوں میں بھی بیٹھے تھے اور اندر بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ سب ینگسٹرز ہی تھے۔

ڈانس فلور پر موجود لڑکے لڑکیوں کے نیچتے گروہوں میں ایک لڑکا کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ پھر ماتھے سے شکنیں سی ہٹیں، وہ ڈھونڈ چکا تھا۔ پھر زرا لوگوں کو ادھر ادھر کرتا بیچ میں سے نکل کر دوسرے لڑکے تک پہنچا۔

"احمد! عالیان کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتہ؟ یہیں کہیں ہو گا۔"

"ممی نے اسکا خیال رکھنے کا کہا تھا۔"

"تو تم ہو نا، کامران۔ ویسے بھی تم بڑے ہو، ممی نے تمھے اسکا خیال رکھنے کا بولا تھا۔ اب مجھے انجوئے کرنے دو!"

عالیان کھڑکی کے پاس اپنے دونوں بھائیوں سے انجان سا کھڑا تھا۔ وہ جانتا تھا دونوں انجوئے کر رہے ہونگے۔ وہ ایسی جگہوں پر بلکل بھی انجوئے نہیں کرتا تھا مگر ممی نے "تمہارا دل بہل جائیگا" کہہ کر اسے بھجوادیا اور اب وہ یہاں آنے پر پچھتا رہا تھا۔

دفعاًاسے اپنے اندر کچھ محسوس سا ہوا۔ کچھ عجیب۔ جیسے وہ کہیں گم ہو رہا ہے، یا پھر 'کہیں 'اسکے اندر گم ہو رہا ہے۔ اسے آس پاس کا منظر دھندلا ہوتا نظر آیا۔ پھر اگلے ہی لمحے دھند ہٹ گئی اور سب ویسا ہی دکھنے لگا مگر اب وہاں اور بھی لوگ نظر آنے لگے تھے۔

اسے ایک عورت نظر آئی، جس کے ہاتھ میں ایک بچہ تھا۔ عورت نے بچے کو زمین پر گرایا اور پھر وہاں سے بھاگ گی

پھر وہیں اسے کچھ لوگ پیدل چلتے نظر آئے۔

اسے یہ جگہ ایک میدان سی لگی پھر وہ کوئی پلاٹ سا لگا۔

پھر آس پاس اسے پہاڑ سے نظر آئے۔

پھر سب کچھ غائب ہوااور ایک لڑکوں کا گروہ سا نظر آیا۔لڑکوں کے اس گروہ کے ہاتھوں میں خنجر سے تھے۔ایک لڑکا پیچھے سے نکلااور اپنے بازوؤں کی گرفت سے ایک بے ہوش سے وجود کو گرایا۔پھر اگلے ہی پل ان لڑکوں نے اس بے ہوش سے وجود پر خنجروں کی بھرمار کر دی۔ایک کے بعد ایک مارنے لگا۔پھر ان سب کو قہقہہ لگاتے دیکھا۔

پھر وہاں عجیب سے شلوار قمیض میں ملبوس عورتوں اور مردوں کے گروہ کو بیٹھا دیکھا جن ک ہاتھوں میں مشروب۔۔

"نکل جاؤ!!"اتنا زور سے چلایا کہ گلا بیٹھنے لگا،مر اندر اب بھی زور تھا۔

"نکل جاؤ تم سب۔۔جاؤ۔۔کون ہو چلے جاؤ!!!"پھر سے چلایا۔آنکھیں موند لی۔سارے مناظر آگے پیچھے ہونے لگے۔

"جاؤ!!جاؤ!!جاؤ!!"گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگا۔

اسنے اپنے کندھوں اور چہرے پر ہاتھوں کا لمس سا حسوس کیا۔

موندھی آنکھیں کھولیں۔سارے منظر غائب تھے۔بس اب وہی منظر تھا۔شور بے حد شور اور آس پاس کچھ لوگ کھڑے محسوس ہوئے۔ گروہ کی شکل میں۔اسکا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا پڑا تھا۔رنگ زرد ہوا تھا۔اور آنکھں سرخ سی۔اس کے کندھوں پر

کامران کاہاتھ تھا۔اسنے چہرہ زرااٹھایا۔کچھ لوگ ہنس رہے تھے جبکہ کچھ افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے،کچھ کی آنکھوں میں ہمدردی بھی تھی۔

اس سے یہ سب دیکھانہ گیا۔دفعتاًاحمداس گروہ کے لوگوں کودھکیلتابیچ سے نکلا۔اسکے ماتھے پر بل اور چہرے پر غصّہ تھا۔

احمدے آگے ہوکرعالیان کوکھینچ کراٹھایااور کھینچتاہوااسے چلب سے باہر کولے جانے لگا۔کامران پیچھے کو لپکا۔باہر نکلتے وقت عالین کے کانوں میں بے شمارآوازیں آئی تھیں۔

"احمداسکاعلاج کرواؤ،یہ۔۔"

"کامران !اِزہی آلرائٹ؟"

چند قہقھے۔

"لوک ایٹ ہِم !اِن نوسنٹ بائے !"

بس پھروہ کلب کے باہر گاڑی میں بیٹھ رہاتھا۔اورآوازیں بند ہوگئ تھیں۔البتہ موسیقی کاشور باہر تک آرہاتھا۔

گھر پہنچتے ہی وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ کمرے کا دروازہ لاک کر کے وہ بے اختیار آنسو بہاتا رہا۔ اور وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ باہر سے کچھ شور سا سنائی دے رہا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ بس دل ہی دل میں مر جانے کی دعائیں کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک دی جا رہی تھی مگر اس نے نہیں کھولا۔ وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا ممی سے سائکیٹرسٹ کے پاس جانے کا مشورہ دینگی مگر وہ نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ نہ پاگل تھا، نہ مینٹلی ڈپریسڈ۔ وہ بس کنفیوزڈ تھا۔ وہ دیکھتے دیکھتے نا جانے کہاں پہنچ جاتا تھا اور کیا کچھ دیکھنے لگ جاتا تھا؟

بہت دیر بعد جب اس کے آنسو اور درد کم ہوا تو ذرا اسے ہوش آیا۔ آ کر یہ سب کیا تھا؟ کیسی زندگی تھی؟ اور پھر اسنے ایک فیصلہ کیا۔ اس سب سے نکلنے کا حل۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ آزادی کا۔

☆☆☆

وہ دوپہر بہت مصروف سی تھی۔ اونچے درخت اب ہوا سے ہل رہے تھے۔ اور گرمی آ رہی تھی مگر ٹھنڈ اب بھی باقی تھی۔ فروری ابھی ابھی شروع ہوا تھا اور سب لوگوں نے شادی کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ گھر میں ملازموں کا رش تھا کیونکہ آج حلیمہ پھوپھو اپنے بچوں کے ساتھ آ رہی تھیں۔ نور کا منہ صبح سے بنا ہوا تھا اور حبیب

اس کی باتیں سن کر ہنس رہا تھا۔اسے حلیمہ پھوپھو اور ان کے بچّے کبھی بھی اچھے نہیں لگے۔نہ بچپن میں،نہ اب!

"نور دادی جان نے کہا ہے کہ خبردار! تم نے انکے سامنے کوئی بری حرکت یا بات کی۔" مریم،نور اور حبیب لان میں پڑی بینچز پر بیٹھے تھے۔نور اور مریم ایک ساتھ تھے جبکہ حبیب سامنے والی بینچ پر تھا۔حبیب نے سفید شرٹ اور نیچے جینز پہن رکھی تھی اور وہ دمک سا رہا تھا ہمیشہ کی طرح۔

"اف! دادی جان کو بولو اپنا یہ 'مہمان نامہ' بدل لیں،اب تو مجھے یاد بھی ہو گیا ہے۔" پھر رکی۔"ساتھ یہ بھی بولا ہو گا کہ اسے کہنا کہ زیادہ باتیں نہ کرے اور ڈوپٹہ سر پر رکھے۔"

مریم اور حبیب دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بے اختیار ہنسے۔

کچھ دیر بعد وہ سب دروازے سے اندر گھستے دکھائی دیے۔دروازے سے دادی جان ،سکندر اور زرینہ انہیں ریسیو کرنے کھڑے تھے۔باقی چاروں پیچھے لاؤنج کے پاس کھڑے تھے۔ایک دوسرے کے کانوں میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔حبیب نے نور کے کان میں کچھ کہا اور نور کا بلند بانگ قہقہہ سارے میں گونجا۔مریم نے اس کے منہ

پر زور سے ہاتھ رکھا مگر وہ ہنوز قہقہہ مارے جا رہی تھی۔ عثمان بھی اسے دیکھ کر ہلکا سا ہنسا۔اور حبیب تو بس دل ہی دل میں 'چچ چچ!" کر کے رہ گیا۔

پہلے نیلی ساڑی میں حلیمہ اندر داخل ہوئیں اور سب سے ملیں۔ پھر دو جینز اور جیکٹس میں ملبوس لڑکیاں، جن میں ایک تو قد میں لمبی تھی جبکہ دوسری عمر اور قد دونوں میں چھوٹی۔ چھوٹی والی سرخ گالوں سے مسکرائے جا رہی تھی۔ پھر ایک لڑکا داخل ہوا، جو دیکھنے میں سکندر سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔

حلیمہ تائی اندر داخل ہو کر پہلے دادی جان سے ملیں، پھر روکھے سے انداز میں سکندر اور زرینہ سے۔ باقی سب ٹھیک طریقے سے ملے۔اندر آ کر حلیمہ نے نور کو سب سے پہلے گلے لگایا پھر مریم اور پھر حبیب اور عثمان کو۔

"ہماری نور تو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے، ہے نا؟"خوبصورت سی عورت نے مسکرا کر نور کی تھوڑی، ہاتھ سے زرا کو اوپر کی۔ نور بھی مسکرا دی۔

"پھوپھو آپ ہمیشہ یہی کہتی ہیں۔" مریم نے پیچھے سے آنکھیں نکالیں اور حبیب ہلکا سا ہنسا۔ حلیمہ بات کو اگنور کر گئی۔

پیچھے سے دو لڑکیاں آئیں۔ مریم آگے کو ہو کر خوش دلی سے دونوں کے گلے لگی۔

"آآ، ثناء!! یہ چھوٹی سی زیمل کتنی پیاری ہو گئی ہے؟" مریم چہک کر بولی۔

"ایکسکیوزمی! میں پیاری ہی پیدا ہوئی تھی۔"18 سالہ زیمل پیارا سا بولی۔نور نے بس دونوں سے ہاتھ ملا کر بات ٹرخائی۔

حبیب اور عثمان دونوں اب آگے ہو کر لڑکے سے مل رہے تھے۔نور مڑ گئی۔ تبھی پیچھے سے آواز آئی۔

"اسلام علیکم!"نور واپس مڑی۔"میں جنید!"

نور زرا ہچکچائی پھر ہاتھ آگے کیا، جنید نے بھی ہاتھ ملا لیا۔حبیب اور عثمان دونوں پہلے ہی آگے چلے گئے۔جیسے وہ دونوں تھے، ویسے ہی یہ تینوں بھی تھے۔نور بس کنفیوز سا مسکرائی اور پھر مڑ گئی۔جنید بھی مسکرایا اور اس کے پیچھے لاؤنج کی طرف چلا گیا۔

"ماشاءاللہ! ممی یہ بچّے بھی کتنے بڑے ہو گئے ہیں۔"سکندر نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہاں، ماشاءاللہ!"دادی جان مسکراتے ہوئے سب کو دیکھ رہی تھیں۔پھر حلیمہ کے ساتھ بات کرنے لگیں اور سکندر زرینہ سے۔

نور اور مریم دونوں کچن میں کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔مریم اسے خود ہی کچن لے آئی تھی کہ وہ کچھ الٹا سیدھا نہ بول دے۔

باہر حبیب، عثمان اور جنید کوئی بات کر رہے تھے۔نور نے کچن سے ہلکا سا جھانک کر دیکھا۔پھر ناک سے مکھی اڑاتی ہوئی واپس اندر آگئی۔اسے اس لڑکے سے سخت چڑ ہوئی تھی۔کھانہ نور نے بلکل خاموشی میں کھایا، جبکہ باقی سب ہنسی مزاق میں مصروف رہے۔زرا زرا سی دیر بعد نظر اٹھا کر حبیب کو دیکھ لیتی جو اس کی عین مقابل کرسی پر بیٹھا تھا۔حبیب بھی دیکھ لیتا تو وہ واپس نیچے دیکھنے لگتی۔وہ قدرے غیر آرام دہ تھی۔کھانے کے بعد وہ فوراً اپنی کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے دن بھی اسلام آباد پر دھوپ پھیلی تھی۔دن روشن اور تر و تازہ تھا۔گرمی ہلکی بڑھ گئی تھی مگر بس اتنی کہ سکون دیتی۔نورالعرش آج بھی یونی گئی تھی۔آخری سمسٹر تھا اور تمام سٹوڈنٹس کا فوکس کلاسس سے زیادہ تھیسس اور ریسرچ پر تھا تو کلاسوں سے زیادہ باہر لان میں رش نظر آتا تھا۔

دوپہر کے بعد گھر میں گاڑی داخل ہوتی نظر آئی۔نور تھکی تھکی سی اتری اور اندر گئی۔دادی جان سے ملی اور پھر اوپر چلی گئی۔اوپر جا کر کمرہ کھولنے لگی تو زرا سا ٹھٹکی۔سامنے حبیب کے کمرے کا دروازہ پورا کھلا تھا۔وہ زرا آگے گئی تو ثناء اس کے کمرے کی چوکھاٹ میں نظر آئی۔وہ مسکرا رہی تھی اور حبیب اسکے سامنے کھڑا تھا۔

New Era Magazine

"ایک تو ہم اتنے سالوں بعد ملے ہیں، پھر یہ بھی نہیں کہ کچھ گفٹ ہی دے دو۔ چچ چچ! کیسے کزن ہو؟" وہ مسکرا رہی تھی اور نور کی ماتھے کی شکنیں بڑھیں۔

"امممم! (سوچنے کے انداز میں) مجھے پتہ نہیں تھا نہ کہ تم آرہی ہو ورنہ میں کچھ لے لیتا۔ اس وقت تو میرے پاس صرف یہی ہے۔" اس نے ثناء کو حبیب کے ہاتھ سے کچھ لیتے دیکھا۔ اور جب وہ چیز سامنے آئی تو نور کی پیشانی کی ساری شکنیں صاف ہو گئیں۔ یہ وہی چاکلیٹ تھی جو کل نور نے اسے دی تھی۔ بس فرق اتنا تھا کہ نور نے اوپر ایک 'تھینک یو' نوٹ بھی چپکایا تھا جو اسکے اوپر نہیں لگا تھا۔ یقیناً اس نے دینے سے پہلے وہ نوٹ اتار لیا تھا۔

(کیا حبیب کے لئے میری دی ہوئی چیز کی اتنی بھی اہمیت نہیں؟)

"یہ بھی چلے گا ویسے۔" پھر وہ ہنس دی اور مڑ گئی۔ نور کو دیکھا تو ذرا ٹھٹکی۔

"ہائے!" مسکرائی نہیں بس پھیکا سا بولا۔

"ہائے!" نور نے بھی مسکرائے بغیر بولا۔ اور جیسے ہی ثناء سیڑھیوں سے نیچے اترنے کے لئے مڑی، نور حبیب کے کمرے کی طرف بھاگی۔

وہ اندر اپنی سنگھار میز کے پاس کھڑا کچھ دراز میں ڈال رہا تھا۔ نور غصّے سے اس کی طرف بڑھی۔

"یہ چاکلیٹ تو کل میں نے تمہے دی تھی نہ؟"وہ طیش سے بولی۔

"وعلیکم اسلام!"وہ اسے دیکھ کر مسکرایا مگر نور کی آنکھیں غصےّ سے بھری تھیں۔

"یہ جو تم نے اسے چاکلیٹ دی ہے۔یہ میں نے تمہے دی تھی اور تم نے اسے دے دی؟"وہ کسی شیرنی کی طرح دباد باسا چلاتے ہوئے بولی۔

"کیسی ہو؟"مسکراہٹ زرا سمٹی تھی مگر اس کا لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

"تمہارے نزدیق میری دی ہوئی چیز کی اتنی اہمیت بھی نہیں ہے؟"اسکی آنکھوں میں شکوہ سا تھا،البتہ غصہ کم ہو گیا تھا۔

"نور،ایزی ہو جاؤ!میں نے اسے۔۔"وہ وضاحت دینے لگا مگر نور نے اسکی بات کاٹ دی۔

"حبیب!تم۔۔"اور بس وہ آگے کچھ بول ہی نہ سکی۔اسے لگا وہ آگے کچھ بولتی تو اس کی آنکھوں پر جمی گرم پانی کی تہہ پگھل کر نیچے گر جاتی۔وہ غصےّ سے مڑی اور اپنے کمرے کا دروازہ دھرام سے بند کر دیا۔

☆☆☆

اسلام آباد میں ابھی شام اتر رہی تھی۔سورج پہاروں کے پیچھے چھپ رہا تھا اور چاند نظر آنے لگا تھا۔آسمان پر پیلیائی بھی تھی اور نیلیائی بھی۔تبھی اونچے درختوں والے گھر پر

آؤ تو دیکھو نور العرش خاموش سی کار پورچ اور باغیچے کی مشترکہ سیڑھیوں پر منہ لٹکائے بیٹھی ہے۔ پیچھے حبیب دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا کافی دیر سے اسے دیکھ رہا ہے، مگر بولا کچھ نہیں۔ شاید وہ اسے منانے کیلیئے الفاظ جمع کر رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صرف درست الفاظ کا چناؤ ہی بس اسے بچا سکتا ہے۔ پھر آگے کو آیا۔

"تو خاتون صاحبہ مجھ سے ناراض ہیں۔ ہوں؟" اس کے ساتھ آ بیٹھا۔ اس نے آج سیاہ شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ نور نے چہرہ موڑ لیا۔

"ویسے ایک بات کہوں؟" اسے دیکھ کر کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی جھوٹی بات نہیں سننی۔" نور غصّے سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہی تو مسلا ہے کہ تم بات سنتی ہی نہیں ہو۔" آواز میں گلہ تھا۔ نور بس 'ہونہہ!' کر کے رہ گئی۔

"اچھا چھوڑو۔ چلو کھاتے ہیں!" پھر جیب سے ایک چاکلیٹ نکالی اور اسے کھولنے لگا۔ نور مڑ کر غصّے سے اسے کچھ کہنے لگی۔

"مجھے کچھ۔۔" اس نے دیکھا یہ وہی چاکلیٹ ہے جو نور نے اسے دی تھی اور اس کے اوپر وہی 'تھینک یو' نوٹ لگا ہوا تھا جو نور نے لکھا تھا۔

"یہ تو وہی۔۔تو پھر۔۔"حبیب نے چاکلیٹ کے دو ٹکڑے کئے اور آدھا اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور آدھا، بغیر اس کے رد عمل کا کوئی اثر لیے، خود کھانے لگا۔ مگر مسکرا ضرور رہا تھا۔

"حبیب تم۔۔"ایک زوردار مکّا اس کے بازو پر دے مارا۔ ساتھ ہی ہنس دی۔ وہ بھی ہنسا۔

"نورا گر تم ایک دفعہ (اسکی پیشانی پر اشارہ کیا) یہاں سے سوچتی تو تمہے اندازہ ہوتا کہ اس کمپنی نے آج تک ایک واحد وہی چاکلیتٹ نہیں بنائی جو تم نے مجھے دی تھی بلکہ یہ لاکھوں کی تعداد میں بناتی ہے۔"ساتھ ہی منہ میں کرچ کرچ کرنے لگا۔

"اور تم تو جیسے مجھے بتا نہیں سکتے تھے نا؟"وہ ایک اور مکّا مارنے کی تیاری کر رہی تھی پھر رک گئی۔

"میں تمہے۔۔"وہ ایک دفعہ پھر وضاحت دینے لگا مگر۔۔

"بس اب زیادہ مت بو۔۔"پھر خود ہی خاموش ہو گئی اور ہنسی۔ وہ جان گئی تھی اس نے پہلے بھی اسکی بات سنے بغیر ایسے ہی کاٹ دی تھی اور اب پھر وہی کر رہی تھی۔

"اور تمہے ایسا کیوں لگا کہ میں تمہاری دی ہوئی چیز کسی اور کو دے دوں گا؟"نور بس مسکرا دی۔

تبھی پیچھے دروازے سے مریم آوارد ہوئی۔

"اف!! میں تم دونوں کو سارے گھر میں ڈھونڈ رہی ہوں اور تم دونوں۔۔"مریم پھولے سانس کے ساتھ بول رہی تھی۔"چلو! دادی جان کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔"

"اف! اور ایک تم بس ہمیشہ میٹھی سی چاکلیٹ میں کڑوا ٹیسٹ بن جایا کرو!"نور غصّے سے بولی۔مریم بس دل ہی دل میں 'آہ' بھر کر رہ گئی۔یہ لڑکی بس ہمیشہ کسی نہ کسی پر الزام ڈالنے کا سوچتی رہتی ہے!

"ہم۔۔آتے ہیں!"حبیب بولا اور مریم چلی گئی۔

"چلیں؟"حبیب مسکرا کر پوچھا۔

"چلو!"مسکرا کر بولی۔دونوں اٹھے اور اندر چلے گئے جہاں سب ان کا انتظار کر رہے تھے۔ان دونوں کو ساتھ آتا دیکھ کر ثناء کے چہرے پر ہلکی سی تلخی در آئی مگر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

اونچے درختوں والے گھر پر یہ دن بھی روز جیسا ہی تھا۔دادی جان، حلیمہ اور سکندر کمرے میں تھے جبکہ زرینہ پیچھے کچن میں۔ثناء اور زیمل اپنے کمرے میں جبکہ جنید

اپنے کسی دوست سے ملنے گیا تھا۔ وہ لوگ پہلے اسلام آباد میں ہی رہتے تھے مگر پھر بعد میں لاہور شفٹ ہو گئے تھے۔ اتنا قریب رہنے کے باوجود، حلیمہ سال میں بس ایک دفعہ آتی تھیں اور ان کے بچے دو سالوں میں ایک دفعہ مشکل سے۔ دوریاں تھیں کہ کیا۔ حبیب اور مریم اپنے کمروں میں اور عثمان باغیچے میں۔

نور یونی سے آئی تو عثمان وہیں بیٹھا تھا۔ نور کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا، نور نے بھی ہاتھ ہلا دیا اور اندر چلی گئی۔ اندر دادی جان کا کمرہ آج بند تھا مگر آج اندر دادی جان خاموش نہیں تھیں بلکہ اندر سے حلیمہ پھوپھو کی آوازیں آرہی تھیں۔ آج نور کو کان بھی نہ لگانا پڑا۔ آوازیں بہت صاف اور بلند تھیں۔

"۔۔اگر میں اپنا حصّہ اس گھر سے مانگ رہی ہوں تو یہ کچھ غلط تو نہیں ہے۔" حلیمہ تائی چلّا کر بولیں تھیں۔

"تم اپنا حصّہ لے کر گئی تھی، اس آدمی کے ساتھ۔" سکندر تایا بھی چلّا ئے تھے۔

"اگر میں ممی سے مانگ رہی ہوں تو آپکو کیا مسلئہ ہے؟" انہوں نے احتجاج کیا۔

"تم اپنا نہیں ان دو بچیوں کا حصّہ مانگ رہی ہو، جو تمہاری وجہ سے یتیم ہوئی ہیں۔ میں اپنا حصّہ بھی انکو دے چکا ہوں تا کہ وہ اپنے آپکو محفوظ سمجھیں اور تم ایک دفعہ پھر انہیں غیر محفوظ کر رہی ہو۔" اس بار ان کا لہجہ ذرا ہلکا تھا۔

"وہ میری وجہ سے یتیم نہیں ہوئیں پہلی بات۔اور آپ نے اگران بچیوں کے نام اپنا حصّہ لکھوادیا ہے تو یہ کچھ احسان نہیں کیا۔اب آپ انہی میں سے ایک بچی کو لے جا رہے ہیں تو حصہ تو واپس آ گیا نہ ؟"

"بس کرو تم !نہ میری پہلے ایسی سوچ تھی نہ اب ہے۔" وہ پھر دباد با چلائے۔

"اچھا بس کرو تم دونوں۔ حلیمہ میں تمھے اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔ یہ حصہ ان دونوں کا ہے اور میں کسی کو نہیں دوں گی، تم رخصتی تک رکو اور پھر جاؤ۔بس !" یہ دادی جان کی آواز تھی۔انہوں نے اپنا آخری فیصلہ سنا یا تھا۔

نور کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔کیا اب بھی حلیمہ پھو پھو کو سکون نہیں ہے ؟ وہ اوپر اپنے کمرے کو بھا گی۔

☆☆☆

کچھ دیر بعد مریم کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا۔وہ اٹھ سی گئی کہ شاید سکندر تایا یا زرینہ تائی وغیرہ ہونگے مگر دروازہ کھلنے کے بعد اس کا منہ کھل سا گیا۔

"یہ آج سورج مغرب سے تو نہیں نکلا کہیں ؟ آپکو دروازہ بھی بجانا آتا ہے، میڈم ؟"نور اندر گھسی اور دروازہ بند کر دیا۔چہرے پر غم سا تھا۔پھر قدم قدم چلتی بیڈ تک آئی اور وہیں بیٹھ گئی۔

"نور کچھ ہوا ہے کیا؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" اب لہجہ نرم تھا۔

"ہم یتیموں کو کوئی کیا کہے گا؟" وہ گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھی۔ مریم کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے؟ حلیمہ پھوپھو نے کچھ کہا ہے؟"

"مریم! کیا خونی رشتے صرف چیزوں کی حد تک محدود ہوتے ہیں؟ مجھے ہمیشہ سے اللہ تعالٰی سے ہر بات پر گلہ رہتا ہے۔(آنکھوں سے آنسو ٹپکے) مگر جانتی ہو آج میرا ایک اور گلہ بڑھ گیا ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے ماں باپ تو دیے نہیں مگر (ہچکی سی لی)۔۔ مگر جو رشتے دیے بھی وہ۔۔ وہ اتنے مٹیریلسٹک ہیں۔ انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے، انہیں چیزوں سے محبت نہیں ہے۔ مجھ سے کوئی بھی پیار نہیں کرتا۔۔ تت۔۔ تم بھی نہیں۔ اسی لئے مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو نا؟(مریم نے اسے گلے لگا لیا) میری زندگی ایک میس ہے۔ ٹوٹل میس! اس سے اچھا تو میں مر ہی جاؤں۔" مریم ٹہری اور پھر کچھ دیر بعد گویا ہوئی۔

"نور! ایسا نہیں کہتے۔ کسی کی زندگی میس نہیں ہوتی۔ میں نہیں جانتی کہ تم ابھی کیا سن کر آئی ہو مگر بس اتنا کہوں گی کہ۔۔(زرا رکی) کہ تم مجھے اس دنیا میں سب سے پیاری ہو۔ اور تمہے بس یہی نظر آیا ہے کہ تم اکیلی ہو۔ لیکن زرا سوچو میں کتنی اکیلی ہوں۔ میرا

بھی تو کوئی نہیں ہے۔اور تم تو پھر بھی دادی جان کے پاس ہو۔مجھے تو ان سے بھی اتنا دور جانا ہے۔"اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔اسے یاد آیا جب اس نے دادی جان سے شادی کے بعد واپس ادھر سیٹل ہونے کا پوچھا تھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"مر۔۔مریم! تم شادی کیوں کر رہی ہو؟اور عثمان بھائی سے ہی کیوں؟کیا تم یہ رشتہ ختم نہیں کر سکتی؟"وہ اب بھی آنکھیں میچے رو رہی تھی۔اس کے گلے سے لپٹی ہوئی تھی۔

"نور عثمان ایک بہت اچھا لڑکا ہے اور دادی جان چاہتی ہیں کہ میں اسی سے شادی کروں اور میرے پاس انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"وہ پریشانی سے بولی۔

"کیوں نہیں ہے؟میں ہوں انکار کی وجہ!"وہ دبادبا سا روتے ہوئے سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"اور جب تمہاری شادی ہو جائے گی پھر؟پھر میرا کیا ہوگا؟"مریم نے چہرے سے آنسو صاف کئے۔

"اچھا چلو بس !اب تم رونا بند کرو اور اٹھو شام کو مال بھی جانا ہے۔ڈریس آرڈر کرنے۔"وہ تھوڑی دیر یونہی لیٹی رہی پھر پیچھے ہوئی اور آنکھیں صاف کیں۔"اب جاؤ اور ریڈی ہو جاؤ۔پھر چلتے ہیں!"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ابھی تو ایک بہت بڑا مشکل فیصلہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

مال جانے کے لئے آج کیا پہنیں؟

☆☆☆

شام کا سورج ڈھل رہا تھا اور ینگسٹرز باہر گھومنے پھرنے نکل پڑے تھے۔'سینٹورس مال' کے باہر دو گاڑیاں آ کر رکیں۔جن میں ایک سے نور،مریم،ثناء اور زیمل اتریں۔اور دوسرے سے حبیب اور عثمان۔جنید ابھی تک گھر نہیں آیا تھا تو وہ اکیلے ہی نکل آئے۔ سینٹورس مال روشنیوں میں نہایا ہوا لگتا تھا۔ویک اینڈ قریب ہونے کے باعث لوگوں کا ایک انبار اندر موجود تھا۔جہاں دیکھو لوگ مسکراتے ہوئے آگے پیچھے چلتے نظر آتے ہیں۔کہیں کسی کے ہاتھ میں جوس کے کین تھے،تو کوئی کافی پی رہا تھا۔کسی نے ہاتھ میں 'پوپ نوش' کے مزیدار گلاس پکڑے رکھے ہیں جن میں کارنز میں مختلف مصالحے ملا کر انکو مزید مزیدار کر رکھا ہوتا ہے تو کہیں کوئی آئس کریم لئے پھر رہا ہے۔

اندر گھستے ہی زیمل کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

"یہ تو پہلے سے کافی بدلا بدلا ہوا ہے نا؟" ثناء نے اسے کہنی ماری۔

"چھچھوری حرکتیں نہ کرو!" تو وہ اسے غصّے سے دیکھی۔

(کیا یار!!)

پر چڑھ گئی اور باقی سب بھی اس کے پیچھے چلے۔ حبیب اور عثمان ادھر ادھر دیکھ رہے تھا۔ elevator بنار کے نور

امریکہ میں ایسے ڈھیروں مال تھے مگر پاکستان میں ایسا مال دیکھ کر اچھا لگا تھا انہیں۔

سیکنڈ پورشن پر زیمل اور ثناء اوپر فوڈ کورٹ کی طرف جانے لگے۔ انہیں ہر وقت کھانے پینے کی ہی پڑی رہتی ہے جبکہ باقی چاروں آگے کسی برینڈ کی طرف جانے لگے۔ پہلے وہ چاروں، لڑکوں والے ایک برینڈ میں گھسے۔ کافی دیر پھرتے رہے اور مختلف ڈیزائنز پسند بھی آتے مگر نور کو ہر کسی میں ایک خرابی نظر آجاتی اور عثمان آگے دیکھنے کا کہہ دیتا۔ پھر کچھ آگے جا کر اسے ایک سفید رنگ کی شیر وانی پسند آئی جس پر سب راضی ہو گئے۔ دفعتاً نور کو آگے ایک جوڑا بھی نظر آیا، سیاہ رنگ کا۔ وہ اس طرف بڑھی۔ باقی سب پیچھے ہی کھڑے تھے۔

"شش شش!" اشارے سے حبیب کو بلایا۔ وہ اسکی طرف دیکھ کر اس طرف گیا۔

"کیاہوا؟"اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ اب اسے کوئی خامی نہ نظر آجائے دوبارہ۔

"یہ کیسا ہے ؟"مسکرا کر پوچھا۔

"لیکن وہ تو سیلیکٹ۔۔"وہ جلدی سے بولنے لگا۔

"اف نہیں اڈیٹ ! تمہارے لئے۔"اس نے جھنجھلا کر اس کی بات کاٹی۔

"میرے لئے ؟"زرا سے شانے اچکائے۔پھر رک کر دیکھا۔"ویسے تمہے تو بلیک کلر برا نہیں لگتا تھا؟"

"تمہارے ساتھ اچھا لگے گا۔"وہ زرا سا مسکرایا۔نور بھی۔

حبیب اور عثمان ناپ دے کر کپڑا سلیکٹ کرنے لگے اور نور مریم کو لے کر آگے ایک اور برینڈ کے پاس آئی۔برینڈ کا نام دیکھ کر مریم کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔وہ ایک انٹر نیشنل برینڈ تھا، جس کی برانچیں مختلف ممالک میں تھیں۔

"نور اتنا مہنگا۔۔"

"کونسا تمہاری جیب سے جارہاہے۔ہمارے پاپا کی کمپنی سے ہی پیسے جارہے ہیں۔"نور نے غصّے سے اسے چپ کرایا۔

"نور لیکن اتنی فضول خرچی۔۔"مگر نور کچھ بھی سنے بغیر آگے جاچکی تھی۔

اندر جا کر نور کے چہرے پر ایک خوبصورت اور خوشنما سی مسکراہٹ در آئی۔اسے ہمیشہ سے شاپنگ پسند تھی اور اتنے سارے کپڑوں کے بیچ میں کھڑے ہونا اس کے لئے ایک مسرت آمیز احساس سے کم نہ تھا۔

آگے جا کر نور مریم سے زیادہ اپنے لئے کپڑے دیکھنے لگی۔جو بھی ڈریس نظر آتا،اسے اس میں اپنا آپ نظر آنے لگتا۔مریم اسے ٹوک دیتی ورنہ وہ ہر ڈریس پہن کر چیک کرنا چاہتی تھی۔پھر تھوڑا آگے جا کر نور ایک سرخ عروسی لباس کے آگے رک گئی۔مریم نے اس عذاب کے ختم ہونے کے لئے دعا کی مگر اس کے خیال کے برعکس،نور کو وہ مریم کے لئے اچھا لگا تھا۔نور نے اس سے ٹرائے کرنے کو کہا۔

"نور یہ بہت ہیوی ہے! میں اس میں کمفرٹیبل نہیں ہونگی۔"نور کا منہ سا بنا۔

"لیکن یہ بہت خوبصورت ہے!"مگر پھر ایک دم سے چہک اٹھی۔"ہم اسکو کسٹمائزڈ بھی تو کروا سکتے ہیں نا؟"

کچھ دیر بعد وہ دونوں ڈیزائنر کے ساتھ ایک الگ کمرے میں موجود تھیں،سامنے وہی سرخ عروسی لباس بھی موجود تھا۔اور ڈیزائنر کے ہاتھ میں ایک نوٹ پیڈ تھا جس میں وہ نوٹ کر رہا تھا اور نور ڈیٹیلز بتا رہی تھی۔مریم اب خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی مگر

وہ اب پہلے کی طرح فکر مند نہیں نظر آتی تھی۔وہ مطمئن سی لگ رہی تھی۔نور سارا ایکسٹرا کام کم کروا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نور نے اپنے لئے بھی ڈریس سلیکٹ کر رہی تھی۔نکاح کے فنکشن کے لئے اس نے سفید کا مدار فراق سلیکٹ کیا اور رخصتی کیلئے گولڈن عروسی لہنگا اور بلاؤز سلیکٹ کیا۔اپنا اور مریم،دونوں کے ڈریس ارجنٹ پر دے دئے،جو کہ ایک ہفتے بعد ملنے تھے۔چونکہ ڈریس میں زیادہ چینجز نہیں کی گئی تھیں تو وہ اپنے کچھ پیسز کوری۔یوز کر کے جلدی بنوا رہے تھے۔

تب تک حبیب اور عثمان بھی آ گئے تھے۔اوپر سے زیمل اور ثناء بھی آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔سب کے چہروں پر عجیب سی خوشی تھی۔ڈیزائنر نے اپنا کارڈ نور کو پکڑا دیا۔

سب ایک ساتھ آ کھڑے ہوئے تو نور کو بھوک لگ گئی اور وہ سب اوپر فوڈ کورٹ چلے گئے۔حبیب اور نور آگے آگے تھے اور ان کے پیچھے زیمل اور ثناء ایک بار پھر خوشی سے ہاتھ پکڑے انکے ساتھ جا رہے تھے۔مریم اور عثمان سب سے پیچھے تھے اور آرام سے آ رہے تھے۔عثمان نے مریم کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

"تم خوش ہو؟" مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اس نے بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا مگر ہاتھ نہ چھڑایا۔

اوپر فوڈ کورٹ میں، وہ سب ایک ریسٹرانٹ کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ نور ڈیزائنر کا کارڈ پڑھ رہی تھی اور کچھ پڑھ کر وہ ٹھٹک سی گئی۔ اس پر مختلف ممالک کی برانچز کے نمبرز لکھے تھے۔ اس کی نظر انکی قطر والی برانچ کا نمبر دیکھتے ہوئے ٹھٹکی۔ اس کا کوڈ وہی تھا، جس کوڈ والے نمبر سے اسے کال آئی تھی اس دن یونی میں۔ یعنی وہ کال جس نے بھی کی تھی، وہ قطر سے تھا۔ وہ کال قطر سے آئی تھی۔ اور پھر۔۔

اور پھر اسے ایک جھٹکا سا لگا۔

☆☆☆

نیوائر نائٹ سے ایک روز قبل:

نور اور مریم دونوں سینٹورس مال کے پہلے فلور پر چل رہے تھے۔ مریم کے ہاتھ میں مختلف برینڈز کے دو تین شاپنگ بیگز تھے۔ نور کے ہاتھ میں کافی کا گلاس اور بن سا تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے تیز تیز چلتے جا رہی تھیں۔ نور نے اپنے لئے نیوائر پارٹی اور یونی کے لئے چند کیژول کپڑے لئے تھے اور مریم کو وہ یونہی ساتھ لائی تھی کیونکہ دادی جان اسے اکیلے جانے نہیں دے رہی تھیں۔

دفعتاً رش میں کسی سے مریم کی ٹکر لگی اور اسکے ہاتھ سے دو شاپنگ بیگز نیچے گر گئے۔ "سورے!" کہہ کر کوئی گزر گیا۔ نور نے شعلہ وار نظر اٹھا کر دیکھا۔ آگے دو تین آدمی گزر رہے تھے۔

"اوے! کدھر جا رہے ہو؟ نظر نہیں۔۔" نور آگے سے چلاّئی۔ تینوں آدمی پیچھے کو مڑے۔ مگر نور غصےّ سے ٹکرانے والے آدمی کو ہی دیکھ رہی تھی۔ اسکی نظر صرف اسی پر تھی۔ مریم سامان اٹھاتے اٹھاتے رکی۔

"نور! منہ بند رکھو۔ یہاں تماشا نہ بناؤ!" اس نے نور کو چپ کروایا۔ مگر ٹکرانے والا آدمی نہیں، ایک لڑکا تھا۔ وہ آیا اور شاپنگ بیگز اٹھائے۔

"سورے!" کہہ کر واپس مڑ گیا۔ باقی دونوں پہلے ہی مڑ چکے تھے۔ اس کے لہجے سے اندازا ہوتا تھا کہ وہ ایک فارنر ہے۔ اور اسکے "سورے" سے بھی۔

"کیا یار! اتنی ڈرپوک مت بنو۔ ایک دو تھپڑ لگاتی نا، دوبارہ کبھی کسی سے نہ ٹکراتا۔" وہ غصےّ میں بولی۔

"بس اس نے اٹھا کر دے دیا ہے نا؟ اب بس ختم بات! اور تیز چلو، دیر ہو گئی ہے۔" مریم نے کہا اور دونوں دوبارہ ویسے ہی تیز تیز چلنے لگیں۔ لوگ مڑ مڑ کر دیکھے مگر پھر ویسے ہی واپس آگے پیچھے ہو گئے۔

"آپ کی آواز بہت خوبصورت ہے!" اس آدمی نے مرر ورلڈ میں یہی کہا تھا۔

☆☆☆

اسائمنٹ سبمیٹ کروانے والے دن:

اپنی اسائمنٹ جمع کروانے کے بعد وہ یونہی باہر پارک میں آبیٹھی۔اسے اپنی میل یاد آئی۔ جلدی سے موبائل نکالااور میل چیک کی مگر وہاں کوئی جواب نہیں آیا تھا۔موبائل واپس پرس میں ڈال دیا۔کیا وہ فیک تھی؟

تھوڑی دیر بعد اسکے موبائل کی ٹون بجی۔اس نے پرس سے نکال کر کان سے لگایا۔

"ہیلو!"

کوئی جواب نہیں آیا۔ مگر کال بند نہیں ہوئی۔دوسری طرف سے سنا جارہا تھا۔

"ہیلو؟"اس نے دوبارہ کہا۔

دوسری طرف اب بھی خاموشی تھی مگر سنا جارہا تھا۔نور نے کان سے ہٹایااور نمبر دیکھا۔نمبر سے پتہ لگتا تھا کہ باہر کا نمبر ہے۔ہو سکتا ہے کوئی رشتہ دار وغیرہ ہو۔اکثر رشتہ دار دادی جان سے بات کرنے کیلئے نور یا مریم کے موبائل پر کال کرتے تھے۔وہ سر جھٹک کر اٹھنے لگی۔ٹون پھر بجی۔

ہیلو؟"اس بار لہجہ سخت تھا۔

"کون ہے ؟اگراب جواب نہ دیا تو نمبر بلاک کر دوں گی!"وہ غصّے سے بولی۔

مگر دوسری طرف وہی خاموشی تھی،البتہ کال جاری تھی۔دوسری طرف اس کی آواز جارہی تھی۔

نور نے کال کاٹ دی اور نمبر بلاک لسٹ میں ڈال دیا۔

"آپ کی آواز بہت خوبصورت ہے!"اس آدمی نے مرر ورلڈ میں یہی کہا تھا۔

☆☆☆

وہ سب کس وقت اور کس طرح گھر گئے نور کو کچھ سمجھ نہ آئی۔اسکے دماغ میں تھا تو بس یہی کہ اس آدمی نے نور کو پہلے دیکھا تھا اور اس کی آواز سن رکھی تھی۔گھر آکر بھی وہ بس کچھ گم سم سی رہی اور کھانے کے وقت "مجھے بھوک نہیں ہے!"کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔کسی نے کچھ نہیں کہا کیونکہ سب کے پیٹ بھرے تھے ریسٹرانٹ میں کھانے کی وجہ سے۔

رات کا ابھی پہلا پہر ختم ہونے کو تھا کہ نور اپنے کمرے سے جیکٹ پہنے نکلی اور سیدھا حبیب کے کمرے کی طرف بڑھی۔اندر گھس کر لائٹ آن کی اور اس کے قریب آئی۔

"حبیب!"اس نے سرگوشی کی اور اسے ہلایا۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔

"اف!! کیا ہے نوراب؟"اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے پوچھا۔پھر زرا نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"نہ نہ نہ! آج میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اس فوڈ سٹریٹ جانے کا۔"نور مسکرائی۔اس کا 'نہ نہ نہ!'نور کو پسند آیا تھا۔

"کس نے کہا ہے میں تمہے فوڈ سٹریٹ لے جا رہی ہوں۔"حبیب نے چہرا نفی میں ہلایا۔

"خاتون صاحبہ! میرا کہیں بھی جانے کا ارادہ نہیں ہے۔مجھے صبح کی چائے میں زہر منظور ہے۔"کہہ کر واپس لیٹ گیا۔مگر وہ خفہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوہ گاڈ،اوکے! میں آتا ہوں۔"کہہ کر اٹھ گیا اور نور اس کا کمرے کے باہر انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ نکلا اور دونوں سیڑھیوں سے آرام آرام سے اترنے لگے۔ثناء کمرے سے پانی کیلیئے نکلی،تو اس نے ان دونوں نیچے جاتا دیکھا۔

"I damn care!"مگر کہہ کر واپس کمرے میں چلی گئی۔

New Era Magazine

دونوں پیچھے کا دروازہ کھولے اب جا رہے تھے۔ نور نے ابھی تک چابی واپس نہیں رکھی تھی اور حبیب اسے اس بات پر صلواتیں سنا رہا تھا۔ باہر نکل کر راہداری کراس کر کے وہ دونوں روڈ پر آئے مگر بجائے کیب کروانے کے وہ دونوں یونہی چلنے لگے۔

"ویسے ہم جا کہاں رہے ہیں؟" حبیب نے چلتے چلتے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"یہاں قریب ہی ایک سٹور ہے۔ وہاں سے بس کچھ چیزیں لینی ہیں۔" اس نے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہا۔ منہ سے دھواں سا نکل رہا تھا۔ دن میں اگرچہ گرمی ہوتی تھی مگر راتیں ٹھنڈی ہی ہوتی تھیں۔

"واہ خاتون! آپکو 'چیزیں' لینے کا بہت اچھا وقت ملا ہے، نہیں؟" وہ ہنس پڑی۔ کچھ دیر دونوں میں خاموشی رہی اور چلتے رہے۔

"نور تم کیا بننا چاہتی ہو؟" سوال تھوڑا غیر متوقع تھا مگر نور کو پسند آیا۔

"میں جرنلسٹ بننا چاہتی ہوں۔ ایک بہت کامیاب جرنلسٹ اور، برائی اور جرائم کے خلاف کمزور لوگوں کی آواز بننا چاہتی ہوں۔"

"نائس! تم اچھا سوچتی ہو۔ اگر ہم سب ایسے ہی سوچنے لگیں تو کتنا اچھا ہو گا نہ؟"

"کیسا؟"

"دوسروں کے بارے میں۔اگرہمارے خواب دوسروں کی مدداور فلاح سے جڑے ہونگے،توہمارے معاشرے سے توساری برائیاں اور تلخیاں مٹتی چلی جائیں گی۔"نور مسکرادی۔

کچھ دیرایسے ہی گزری پھر حبیب نور کودیکھ کر بولا۔

"ویسے جہاں تک میراخیال ہے،قریب کامطلب صرف 10 یا 15 منٹ ہوتا ہے۔نہیں؟کتنادورہے آپ کا'قریب'؟"

"آدھے گھنٹے کاراستہ ہے۔"حبیب بیزاری سے خاموش ہوگیا۔ایک بارپھر بیچ میں خاموشی کی دیوار آگئی تھی۔

اس دفعہ نوربولی۔شایدوہ کافی دیرسے بولنے کیلئےالفاظ چن رہی تھی۔

"حبیب!تم۔۔جارہے ہو؟"اسے دیکھ کرپوچھا۔

"کہاں؟"بھنویں بھینچیں۔

"قطر؟"نورنےجواباًسوال کیا۔

"ہاں!"بس اتناہی کہا۔

"کیوں؟"وہ جانتی تھی مگرنہ جانے وہ کیاچیز تھی جواسے اس شخص سے بات کرنے پرمجبورکررہی تھی۔

"جاب کے لئے۔"بس اتنا ہی کہا۔

"اتنا دور کیوں؟"ایک بار پھر سوال کیا۔

"بس قسمت جہاں بھی لے چلے۔"دونوں بس ہلکا سا ہنسے۔"تم کچھ اور کہنا چاہتی ہو؟"

"نہیں! میں کیا۔۔"سامنے سٹور کی روشنی دکھائی دی۔"وہ آگیا!"

دونوں بس پھر خاموش ہی رہے اور اندر بڑھ گئے۔اندر سے اس نے کچھ چپس، بسکٹس اور چاکلیٹس وغیرہ اٹھالیں۔حبیب مسکرا کر اسے دیکھنے لگا اور جب وہ سارا سامان کاؤنٹر تک لے آئی تو پے کرنے کے لئے آگے ہوا۔مگر نور آگے آگئی۔

"میرے پاس کارڈ ہے۔"اور ایک جتاتی ہوئی نظر اس پر ڈال کر کارڈ مشین میں سوائپ کیا۔وہ فورس کرنے کا عادی نہیں تھا،خود ہی پیچھے ہو گیا۔

"سوری میم! ہماری مشین میں کچھ مسلا ہے۔صبح فکس کرنے بھیجیں گے۔تو کیش دے دیں۔"سیلز مین نے جلدی سے کہا۔اور نور تو گو شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

حبیب نے آگے ہو کر پے کیا اور سامان اٹھا کر نکلنے کیلئے دروازے کی طرف چلا گیا۔نور غصّے سے سیلز مین کو دیکھی اور ایک دو باتیں بھی اس کے منہ پر مار آتی مگر وہ ایسی کنڈیشن میں نہیں تھی اس وقت۔

New Era Magazine

دونوں اب پھر سے رات کے اس پہر اس ویران سڑک پر چل رہے تھے۔

راستے میں ایک بورڈ سا لگا تھا، جس میں 'ڈزنی' کے نئے کارٹون کا پوسٹر سا لگا تھا۔وہ رک کر مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور اس بورڈ کو دیکھنے لگی۔ حبیب رکا اور پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"نور چلو!" وہ جیسے کسی خواب میں سے نکلی اور بھاگ کر اس تک آئی۔

کرتی ہو۔" اور نور غصّے سے اسے دیکھی۔(Fantasize)"مجھے نہیں پتا تھا تم اب بھی ان سٹوپڈ کارٹونز کو فینٹسائز

"ایکسکیوز می! یہ کارٹونز بلکل بھی سٹوپڈ نہیں ہوتے۔ تم انکے بارے میں ایسے الفاظ نہیں استعمال کر سکتے۔" وہ ہنسا۔

"تمہارا فیورٹ کونسا ہے؟" وہ ایک دم اسے دیکھی۔یہ اسکے ٹائپ کا سوال تھا نہ اب!

"میرا نہ۔۔اوہ مائی گاڈ!!۔۔میرا سب سے فیورٹ۔۔ٹینگلڈ ہے۔" پھر رکی اور خوشی سے بولی۔"یو نو ریپونزل!۔۔میرا بہت بڑا ڈریم ہے کہ میں بھی ریپونزل کی طرح اپنی کہانی کے انت میں اپنے ہیرو کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھی ہوؤں اور اوپر آسمان پر لینٹنز(قندیلیں) اڑ رہی ہوں اور گہرے پانے کے درمیان، رات کے وقت ان لینٹنز نے روشنی بکھیری ہو۔کتنا۔۔اومائیگاڈ!!۔۔کتنا پیارا منظر ہو گا نا؟"

حبیب ہنس دیا مگر بس ہلکا سا۔تاکہ اسے برا نہ لگے۔اسے ایک کتاب میں پڑھی ایک بات یاد آئی کہ 'اگر دوسروں کے خواب ہم سے مختلف ہیں،اسکا یہ مطلب نہیں کے ان کے خواب قیمتی نہیں!'۔وہ کتابوں میں پڑھے الفاظ کو محظ سیاہی کے قطروں سے زیادہ،ان مصنفوں کا زندگی بھر کا تجربہ سمجھتا تھا۔ان سے سبق حاصل کرتا تھا،بجائے درمیان میں پھول رکھ کر،ان کتابوں کے اوراق کو انہی میں دفن کرنے کے۔

اور نور تو جیسے دن میں خواب دیکھے جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے چلتی جارہی تھی کہ آواز آئی۔

"نور؟"حبیب نے پیچھے سے اسے اشارہ کیا تھا۔وہ آگے دیکھی پھر بھاگ کر اس کے قریب پہنچی۔وہ اپنے خوابوں میں آگے چلی گئی تھی۔

وہ کبھی تو اس کے پیچھے رہ جاتی تھی اور کبھی آگے نکل جاتی تھی۔ایک ساتھ دونوں کے رہنے کا تو سوال ہی نہیں بنتا۔وہ دونوں گھر گھسے اور بنا چاپ کے اوپر چلے گئے۔حبیب نے اس کے کمرے میں سامان کے بیگز رکھے اور فوراًاپنے کمرے کو ہو لیا۔

وہ رات بھی،ہر رات کی طرح،پل پل گزر رہی تھی۔مگر پھر یہ رات بھی امر ہو گئی تھی۔۔

☆☆☆

اتوار کی صبح اسلام آباد پر قدرے ٹھنڈی اتری تھی۔مری کی ہوائیں ایک دفعہ پھر آگئی تھیں۔یوں لگتا تھا جیسے ٹھنڈ ایک دفعہ پھر سے آگئی ہے مگر موسموں کی یہ آنکھ مچولی تو چلتی رہتی ہے۔

اونچے درختوں والے گھر پر اتوار بہت پر سکون اور خوشنما سا اترا تھا۔سب خوش تھے کہ آخر چھٹی آہی گئی اور سب کو آرام سے اکٹھے بیٹھنے کا موقع مل ہی گیا۔سب ناشتے کی میز پر ہنستے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔مریم اور ثناء ناشتہ لگوا رہے تھے، جبکہ نور ٹیبل پر سب کے لئے چائے بنا رہی تھی۔آج اس نے حبیب سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا، وہ جانتی تھی وہ بس دو چمچ 'زہر' ہی لیتا تھا۔

ناشتے پر سب آپس میں گپ شپ لگا رہے تھے۔ثناء حبیب کے ساتھ بیٹھی تھی اور وہ کافی غیر آرام دہ سا لگتا تھا۔نور روزانہ کی طرح اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی اور اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اسے نور کا یوں ٹکر ٹکر دیکھنا بھی پریشان کر رہا تھا مگر اتنا نہیں۔

ناشتے کے بعد سب حسبِ معمول لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔مریم اور زیمل ایک طرف بیٹھے اسکی شادی کا جوڑا ڈسکس کر رہے تھے۔جبکہ جنید اور عثمان کرکٹ کا میچ ڈسکس کر رہے تھے۔جنید زرا زرا نظر اٹھا کر ادھر ادھر بھی دیکھ لیتا جیسے وہ کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔

حبیب اور ثناء یہاں بھی ساتھ ہی بیٹھے تھے۔نور اپنے کمرے سے موبائل لینے گئی

تھی۔ سکندر، زرینہ، حلیمہ اور دادی جان نہ جانے کونسی راکٹ سائنس ڈسکس کر رہے تھے۔ ایک دو دن پہلے کی سرد مہری کہیں بھی نظر نہیں آتی تھی۔

نور کچھ ہی دیر بعد آئی اور جنید کو جیسے اسے دیکھ کر تسلی سی ہو گئی۔ حبیب اور ثناء کو بات کرتے دیکھ کر وہ ان دونوں کے ساتھ آ بیٹھی۔ حبیب کے ساتھ نہیں بیٹھی کیونکہ وہاں سکندر بیٹھے تھے اور بیچ میں جگہ نہیں تھی تو مجبوراً ثناء کے ساتھ آ بیٹھی۔ جنید اب اس کے بلکل سامنے تھا اور وہ بار بار اسے دیکھتا تھا۔ نور کو ابھی تک اسکے دیکھنے کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔

اس کا سارا دھیان ابھی یہیں تھا کہ ثناء حبیب سے ایسی کیا بات کر رہی ہے کہ ہر چند سیکنڈ بعد اس کے منہ سے ہلکا سا قہقہہ نکلتا ہے۔ مگر باتیں اتنی آہستہ کی جا رہیں تھیں کہ اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ پھر حبیب کی آواز ہلکی سی تیز ہوئی یا شاید اس نے خود ہی تیز بولا تا کہ نور سن لے تو اسے سنائی دیا۔

"ہاں، بس ایک ہی دفعہ وزٹ کیا تھا میں نے۔" نور اب بھی متجسس سی تھی۔

"او گاڈ! کتنا ایکسائٹنگ سا لگتا ہو گا نا؟ مجھے تو بہت شوق ہے ڈزنی لینڈ جانے کا۔ بلکہ میں نے تو ممی کو کہا بھی ہے کہ میں بس اب امریکہ کا ایک ٹور کرتی ہوں۔" نور مسکرائی۔ یہاں تو اس کے مطلب کی ہی باتیں ہو رہیں تھیں۔ پھر وہ بھی بول پڑی۔

"مجھے بھی۔۔" مگر جوں ہی وہ بولنے لگی، ثناء تیزی سے اس کے آگے ہوئی یوں کہ حبیب کو وہ نظر نہ آ سکے۔اور آواز بھی زرا تیز کر لی کہ اس کی آواز پیچھے ہی دب جائے۔

نور کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔اسے جیسے بے تحاشہ بے عزتی کا احساس ہوا۔ آنکھوں پر گرم پانی کی ایک لہر جم سی گئی۔

"جب میں وہاں آؤں گی تو تم مجھے بھی گھمانے لے جانا۔ٹھیک؟"آواز زرا تیز تھی کہ نور بھی سن لے۔

نور کے لئے اب اور وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا۔حبیب کا جواب سنے بغیر وہ تیزی سے اٹھ گئی اور واپس اوپر چلی گئی۔حبیب کو سمجھ آ گئی تھی اور وہ "ایکسکیوز می!" کہہ کر اٹھ گیا۔باقی کسی کو کچھ سمجھ نہ آیا تھا تو سب نارمل ہی رہے۔

بس ایک وہ ثناء تھی، جس کا چہرہ غصّے اور شرم ساری سے لال بھبوکا ہوا جا رہا تھا۔وہ چاہتی تھی کہ جا کر نور کو کچا چبا جائے مگر وہیں بیٹھی رہی۔

اوپر حبیب اس کے پیچھے گیا مگر اوپر پہنچتے ہی نور نے دھڑام سے اسے دیکھے بغیر دروازہ بند کر دیا۔اسے نہیں پتا تھا کہ حبیب اس کے پیچھے آیا ہے۔حبیب بس شانے اچکا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔جیسے آخر اسے ثناء کی بکواس سے آزادی مل ہی گئی ہو۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا۔ ٹھنڈ کے باعث ہلکی ہلکی دھند بھی اونچے درختوں والے باغیچے میں بھری تھی۔ نور آج منہ لٹکائے ان سیڑھیوں پر نہیں بیٹھی تھی بلکہ وہ آج دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے نہ چہرے پر غم کے کوئی آثار۔

حبیب اوپر بیلکونی سے اسے دیکھ رہا تھا مسکراتے ہوئے مگر کوئی آواز صدا نہ دی بس دیکھ رہا تھا۔ مگر جب اس کی نظروں کے قریب جا کر دیکھا جائے تو وہ اسے نہیں بلکہ درخت کے اوپر بنے چڑیوں کے گھونسلے میں موجود چڑیا کو دیکھ رہا تھا جو اپنے انڈوں کی حفاظت کر رہی تھی۔ اس نے اب جینز پر سویٹر پہن رکھا تھا، بلکل ویسا ہی جیسا عثمان نے اس دن پہنا ہوا تھا جب وہ سب آئے تھے۔ برادرز تھنک یونو!

نور ہنوز دائیں سے بائیں کچھ سوچتے ہوئے چکر کاٹ ہی رہی تھی کہ کوئی دروازے سے نکل کر اس کی طرف آیا تھا۔ وہ مڑی نہیں، وہ جانتی تھی یہ حبیب تھا۔ مگر وہ غلط تھی۔

"ہائے!" وہ جنید تھا۔ نور تحیر سے مڑی۔

"ہائے!" پھیکا سا بولی۔

(اف اللہ! یہ مصیبت کہاں سے ٹپک پڑا ہے۔ میں کتنی امپورٹنٹ بات سوچ رہی تھی)

"تم نظر کم آتی ہو، نور؟" مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا کوئی۔۔کام تھا؟ آئی مین کچھ چاہیے؟" وہ چاہتی تھی یہ جلد از جلد چلا جائے۔

"نہیں، ویسے کچھ کام تو نہیں تھا مگر میں نے سوچا جب سے آئے ہیں، تم سے بات نہیں ہوئی۔" مسکرا کر کہا۔ اسے نور سے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔

"تمہاری بہن کی شادی ہو رہی ہے۔ کانگریٹس!" پھر اایک نئ بات بنائی۔

"میری بہن تمہاری بھی کچھ لگتی ہے۔ اتنے فارمل نہ ہو۔" نور نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہاں، میرا مطلب تھا تم تو خوش ہو گی نا؟" مسکرا کر وضاحت دینے لگا۔

"بلکل ہوں!" لہجہ سخت۔

"تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔ آئی مین آگے پڑھنا ہے یا بس شادی وغیرہ؟" پھر دوبارہ ایک نئ بات بنائی۔

"کیوں، تم نے نکاح پڑھوانا ہے؟" وہ چاہتی تھی کہ وہ چلا جائے مگر وہ تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"ہاہاہا! یو آر فنی۔ میرا مطلب تھا کہ تمہے بھی اب اپنے بارے میں کچھ سوچنا۔۔" نور نے اس کی بات کاٹی۔

"نہیں، میں فضول چیزیں نہیں سوچتی!" پھر سے لہجہ سخت۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ ویسے میں تو اسی بارے میں سوچ رہا ہوں۔" ایک نئ بات۔

"ہاں گڈ! تمہیں سوچنا بھی چاہیے۔ایک سال ہو گیا ہے نہ تمہاری گریجوایشن کو؟"اس بار بھنویں بھینچ کر سوال کیا۔

"ہاں ایک سال ہو گیا ہے اور اپنا بزنس بھی بہت اچھے سے سنبھال رہا ہوں۔"پر اعتماد سا بولا۔

"سو؟"نور نے ایک آنکھ اوپر کر کے پوچھا۔

اس نے آگے ہو کر نور کے دونوں ہاتھ نرمی سے تھام لئے۔"سو؟"

نور نے ہاتھ چھڑا کر جواباً اسے ایک زوردار دھکّا دیا۔وہ زرا جھٹکے سے پیچھے کو ہوا۔مگر نور کی نظریں تو پیچھے ہی رک گئیں۔وہ نور کی نظروں کا تعاقب کرتا پیچھے دیکھا اور شل رہ گیا۔پیچھے حبیب کھڑا تھا اور کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دوبارہ۔۔نورالعرش۔۔۔کے پاس۔۔نظر۔۔نہ آؤ تم مجھے۔سمجھے؟"وہ غرایا تھا۔

اس کی آنکھیں سرخ انگارہ سی ہو رہی تھیں اور نور کی تو جیسے جان میں جان آئی۔نور اور حبیب دونوں آگے بڑھ کر اندر چلے گئے۔نور کے چہرے پر اب کوئی غم اور پریشانی کے آثار نظر نہیں آتے تھے،تھا تو بس ایک اعتماد سا،کہ کوئی ہے اس کے ساتھ۔جنید پیچھے ہی رہ گیا۔

"ڈیم اٹ!"

☆☆☆

اگلے دن جب اونچے درختوں والے گھر پر شام اتر رہی تھی۔سب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔نور اور حبیب بھی وہیں بیٹھے تھے مگر خاموش ہی تھے۔۔ پچھلے دن والی بات کے بعد جنید نور کے آس پاس نظر نہیں آیا تھا حتیٰ کہ کھانے پر بھی نہیں تھا۔نور کے چہرے پر اب کوئی ناراضگی یا تلخی نظر نہیں آتی تھی اور وہ بھی ثناء والی بات کو بھول چکی تھی۔یا شاید یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔زندگی بس اچھی باتیں سوچنے اور غور کرنے کا نام ہے!

شادی کے دن ایک ایک کر کے قریب آرہے تھے اور دادی جان،زرینہ اور حلیمہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو ایک ایک کر کے مدعو کر رہی تھیں۔اور اسی بات پر ڈسکشن چل رہی تھی۔سامنے بیٹھی ثناء مریم سے کچھ کہہ رہی تھی اور زیمل موبائل پر لگی تھی۔

تبھی سکندر تایا جو کہ ہلکی آواز میں نیوز سن رہے تھے زرا تیز کیا اور آواز سارے میں گونجی۔سب کی نظریں ٹی وی کی طرف بڑھیں۔

"آپکو بتاتے چلیں کہ بہرین میں لوگوں نے پانی کی آلودگی کے خلاف باقاعدہ ایک کمپین شروع کی ہے،جس میں پانی میں گند پھینکنے والے کو شدید جرمانہ بھرنا پڑے گا۔"

نور نے بھی موبائل چھوڑا اور اوپر دیکھنے لگی۔

"جی ہاں، خلیج فارس جو کہ بہرین سے ہو کر قطر بھی جاتا ہے اور باقی ممالک کو بھی چھوتا ہے، اب گندگی کا شکار ہو رہا ہے۔ لوگوں نے اس میں گند پھینکنا شروع کر دیا ہے جس سے آبی زندگی متاثر ہو رہی ہے۔"

پھر واپس موبائل پر انگلیاں چلانے لگی۔ خبر اچھی تھی اور دلچسپ بھی مگر اتنی خاص نہیں تھی کہ نور موبائل رکھ دے۔

"آپ کو بتاتے چلیں کہ عرب کے موتی یا موتیوں کے جزیرے "بہرین" سے گزرتا (نور زرا سا ٹھٹکی اور اوپر دیکھی) سمندر، عرب کے موتی جو کہ بہرین ہے، سے گزرتا سمندر اب گندگی کا شکار۔۔"

اور پھر نور کو کچھ بھی سنائی دینے بند ہو گیا۔

عرب کا موتی۔۔جی ہاں، عرب کا موتی۔۔

"حبیب اس نے ابھی عرب کا موتی کہا ہے نا؟"

"نہیں بہرین! 'عرب کا موتی' یا 'موتیوں کا جزیرہ' تو اس کو بس اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہاں بے شمار موتیوں کی کھوج ہوتی ہے۔" مسکرا کر بتانے لگا۔

اور نورالعرش تیزی سے اپنے کمرے کی جانب دوڑی۔اسے جواب مل گیا تھا۔اس کی پہیلی حل ہو گئی تھی یا پھر کر دی گئی تھی۔

اس نے کمرے میں جاتے ہی سائڈ ٹیبل کی دراز میں پڑا خط نکالا۔

سألتقي بكم في لآلئ العرب

(میں ملوں گا تم کو عرب کے موتی میں)

حيث توجد مياه ذهبية رائعة وأبراج شاهقة

(وہاں جہاں پھوٹے سنہرا پانی،اور سر بلند میناروں میں)

تعال إلي، أنا أستحقك

(آؤ میرے پاس کے میں ہی تمہارا حقدار ہوں)

تألق الماس فقط في أيدي مرتديها الماس

(ہیرا چمکے صرف ہیرا پہننے والے ہاتھوں میں)

"میں ملوں گا تمکو 'عرب کے موتی' میں۔ عرب کا موتی بحرین کو فقط اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے سمندر میں موتی نکلتے ہیں۔اور اس کا سمندر اس سے ہوتے ہوئے قطر کے دارالحکومت 'دوحہ' سے بھی جا ملتا ہے۔"پہلا مصرعہ حل ہو گیا تھا۔پھر مسکرا کر آگے پڑھنے لگی۔

"جہاں پھوٹتا ہے سنہرا پانی،(یعنی تیل)اور سر بلند میناروں میں،(یعنی اونچی اونچی عمارتیں)۔جو کہ قدر کے شہر دوحہ میں جابجا پائی جاتی ہیں۔"پھر ٹھٹک کر رکی۔

"آؤ میرے پاس کہ میں ہی تمہارا اصل حقدار ہوں۔ہیرا چمکے صرف ہیرا پہننے والے ہاتھوں میں؟"منہ سا بنا۔"ہیں؟اس کا کیا مطلب بنا؟کیا کوئی مجھے بلانا چاہ رہا ہے۔۔"

پھر کئی دیر تک ویسے ہی دم سادھے بیٹھی رہی۔یہ اس کی زندگی کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟وہ حیران تھی اور کچھ حد تک پریشان بھی ہو رہی تھی۔کیا اسے یہ سب اسی طرح لائٹ لینا چاہیے یا کسی کو اس بارے میں خبر کر دینی چاہیے؟وہ فیصلہ نہ کر پائی۔

نورالعرش وہیں دم سادھے بیٹھی رہی،جب تک کہ دروازہ نہ بجا۔

☆☆☆

(باقی آئندہ انشااللہ!)

بِسمِ اللہ الرّحمنِ الرَّحیم

شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے

قسط:3

"العالم تَحتُ الأرض"

(The World below the Ground)

"اور قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔آیت:9)

☆☆☆

نورالعرش وہیں دم سادھے بیٹھی رہی، جب تک کہ دروازہ نہ بجا۔

"ٹک۔۔کون؟"

New Era Magazine

"میں ہوں۔ عمران چاچا!"

"جی؟" دروازہ کھلا۔

"بیٹا! نیچے سب آپکا کھانے پر انتظار کئے جا رہے ہیں، آپ آ رہی ہیں؟"

"جی، میں بس آ گئی۔"

وہ اٹھی اور ذہن سے سارے خیال جھٹکتے کمرے سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں واپس آئی اور غسل خانے میں گھس گئی۔ جب واپس نکلی تو رات کے کپڑوں میں موجود تھی۔ بتی بجھائی اور بیڈ پر آ لیٹی۔ ویسے ہی چت لیٹی کچھ سوچتی رہی پھر 'بودریا' اٹھالی اور پڑھنے لگی۔

آج اس میں کسی جگہ کے بارے میں بتایا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں، پھر منہ بسوڑ کر کتاب واپس بند کر دی۔ اسے فکشن پسند تھا مگر اتنی بھی نہیں! یہ کتاب عجیب سی تھی۔ پاگل کرنے والی۔ ہر بات کو طویل کھینچنے والی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ اب دوبارہ کبھی یہ کتاب نہیں پڑھے گی۔

☆☆☆

نیوائیر والی رات تھی۔

رات کا اندھیرا آسمان پر سیاہ سی چادر پھیلائے ہوئے تھا۔اسی اندھیرے میں عالیان کے قدموں کی چاپ نے زراسی آواز پیدا کی۔پاؤں میں جو گرز پہنے، کندھوں پر بیگ چڑھائے، سر پر پی کیپ پہنے وہ گھر سے تھوڑا دور کھڑا تھا۔دور سے وہ گھر کی دیوار پر نصب ایک کمرے کی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔کھڑکی کی بتی جل رہی تھی۔

آنکھ کی کنارے سے بس دو قطرے بہے اور پھر وہ مڑ گیا۔وہ ابھی سے آنکھیں بگھو کر انہیں تھکانہ نہیں چاہتا تھا۔بس پھر مڑ کر چلتا گیا اور چلتا ہی رہا۔پیسے ہونے کے باوجود اسنے کوئی کیب وغیرہ نہیں کروائی۔بس چلتا رہا۔وہ اس اندھیرے اور خاموشی کو محسوس کرنا چاہتا تھا،جو اسکی زندگی میں کے اکثر اوقات اسکے ساتھ تھے۔

جب پیر چل چل کر تھک سے گئے،تو وہ فٹ پاتھ پر آبیٹھا۔جیب سے موبائل نکالا اور تصویریں نکال لیں۔بیٹھا رہا،اور ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔اپنی ماں کو،اپنے باپ کو،بھائی اور کزنز کو،چند دوستوں کو۔پھر ساری تصویروں کو ڈیلیٹ کر دیا۔یہ وہ چیزیں تھیں جو اسے روک رہی تھیں،اپنی منزل کی تلاش سے۔اور انسان کبھی اپنے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر زینے پار نہیں کر سکتا۔اسکے راستے کی ایک رکاوٹ ابھی ختم ہو گئی تھی۔قدموں کی چاپ پر آنسوؤں سے بھیگا چہرہ جھٹکے سے اٹھایا۔مڑ کر پیچھے دیکھا تو کوئی کھڑا تھا۔

عالیان ایک جھٹکے سے اٹھا اور موبائل جیب میں ڈالا۔ پھر تیزی سے فٹ پاتھ پر آگے کو چلنے لگا۔

"رکو!" پیچھے سے بھاری مردانہ آواز سی آئی۔ اسکے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔ وہ ڈرا ہوا مڑا۔

"کون؟" پیچھے کھڑا آدمی اب زرا دو قدم آگے چل کر آیا تو روڈ لائٹ میں اسکا حلیہ اور چہرہ واضع ہوا۔

"عبدالرزاق حیدر عثمانی۔"

"مجھے کیوں روکا ہے؟" لڑکھراتی ہوئی آواز نکلی۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں!" عالیان کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔

"کہاں کے لئے؟"

"جس منزل کی تلاش میں تم اس وقت نکلے ہو، اسکا راستہ میرے پاس ہے۔"

"مجھے کہیں کی بھی تلاش نہیں ہے۔ میں بس واک پر نکلا ہوں۔" وہ واپس مڑ گیا اور چلنے لگا۔

فٹ پاتھ کے سائڈ پر پڑا ڈسٹ بن اپنی جگہ سے اڑ کر اسکے آگے آ گرا۔عالیان کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔دماغ میں خطرے کی تیز تیز گھنٹیاں بجنیں لگیں۔وہ آرام سے مڑا۔پیچھے اب عبدالرزاق کے ساتھ ایک اور آدمی بھی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کون ہو تم لوگ اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارے پاس ایک خاص چیز ہے۔"عالیان جان گیا تھا وہ کس چیز کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔اسے لگا یہ آدمی اسے تنگ کرنے آئے ہیں۔

"میری کمزوری ہے۔"جھٹ سے بولا۔

"تمہاری طاقت ہے۔"عبدالرزاق تیزی سے بولا۔

"تم لوگوں سے مطلب؟"عبدالرزاق اور ساتھ آدمی اب قدم قدم آگے آ رہے تھے۔

"تم چیزوں کو دیکھتے ہو،عام انسانوں کی طرح۔مگر ان کو دیکھتے دیکھتے تم کہیں اور جا پہنچتے ہو۔"عالیان کی کنپٹی پر اب پسینے کا ایک قطرہ گرا۔اس قدر ٹھنڈ میں۔"مگر تم کہیں اور نہیں جا پہنچتے۔بلکہ وہ سب یہیں ہوتا ہے۔"

"صاف لفاظ میں بات کرو!"وہ اندر سے بری طرح ڈرا ہوا تھا۔

New Era Magazine

"تمہاری طاقت ہے کہ تمہارا دماغ ہر جگہ، ہر چیز کا ماضی تلاش کر سکتا ہے۔ کہیں صدیوں پہلے سے لے کر آج تک وہاں کا ہوا تھا؟ کون آیا گیا تھا؟ کیا کر رہا تھا؟ سب کچھ۔ مگر میں جانتا ہوں تم ایک مشکل میں ہو۔" عالیان کی کنپٹی سے پسینے کے قطرے اب غائب ہو چکے تھے۔ وہ حیران تھا۔ آخر کوئی اسکے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتا تھا؟ وہ سوالیہ نظروں سے عبدالرزاق کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری مشکل بس اتنی ہے کہ تمہاری طاقت تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ تمہارا دماغ بس وقت، لوگوں اور ماضی کو ملا دیتا ہے۔ تم نہیں سمجھ پاتے کہ کون کس وقت اور کیا، کس جگہ کر رہا تھا۔"

"میں پاگل نہیں ہوں!"

"میں جانتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہے۔ تمہارے جیسے اس دنیا میں بہت سے لوگ ہیں۔ مگر بہت کم۔ دنیا کی آبادی میں دو فیصد سے بھی کم۔ اور ان دو فیصد سے کم لوگوں کو یہ دنیا کبھی سمجھ ہی نہیں پاتی، بلکہ ان کو درد دیتی ہے، تکلیف دیتی ہے، اذیت دیتی ہے۔ تمہارے پاس چیزوں کے، جگہوں کے، لوگوں کے ماضی جاننے کی طاقت ہے۔ مگر وہ طاقت کہیں اندر چھپی بیٹھی ہے۔"

"کیا میں انمول ہوں؟"

"ہم سب انمول ہوتے ہیں۔ یہ ساری دنیا کے لوگ۔ ہم سب کے پاس کچھ نہ کچھ طاقت ضرور ہوتی ہے۔ بس کہیں ظاہر ہوتی ہے تو کہیں باطن۔ کہیں ابھری ہوئی تو کبھی چھپی ہوئی۔ کسی کے پاس زیادہ تو کسی کے پاس کم۔ تم ان لوگوں میں ہو جن کے پاس طاقت بھی ہے اور زیادہ بھی اور وہ ظاہر بھی ہے۔ مگر تم اس طاقت کو کنڑول نہیں کر سک رہے۔ میرے پاس۔۔ میرے پاس وہ چابی ہے، جو تمہارے اس بند دماغ میں چھپی طاقت پر لگے تالے کو کھول سکتا ہے۔ اگر یہ طاقت یونہی بند اور دبی رہی تو ختم ہو جائگی۔ اور تم بہت قیمتی ہو۔"

"مجھے کہاں لے جاؤ گے؟"

"کہیں بہت دور۔ جہاں تم جیسے کئی لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم جس غار سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہو، وہ اسی غار میں اپنی دنیا بسائے بیٹھے ہیں۔ تمہیں بھی ان تک پہنچنا ہے۔ بس اپنا راستہ بدلو!"

عبدالرزاق کے پاس صرف ایک ہی طاقت نہیں تھی، کئی طاقتیں تھیں۔ جن میں ایک الفاظ کا جادو بھی تھا اور وہ وہی جادو عالیان پر بھی چلا چکا تھا۔ وہ صرف اپنی آنکھ کی پتلی ہی نہیں، بلکہ اپنی زبان کو بھی جادو کی طرح استعمال کرتا تھا۔

عبدالرزاق مڑ گیا اور آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ اسکا ساتھی اب بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا، عبدالرزاق کیا کر رہا ہے۔

"میں چلوں گا!" عبدالرزاق کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ وہ مڑا اور عالیان کے پاس گیا۔

عالیان کے قریب جا کر اسنے عالیان کے پیچھے دیکھا۔ عالیان نے حیرانی سے مڑ کر دیکھ تو اسکے پیچھے بھی کوئی کھڑا تھا۔

عالیان کی سیاہ آنکھیں اس پیچھے کھڑے شخص کی آنکھوں سے ملیں۔۔

پھر اسے اپنے حواس گم ہوتے محسوس ہوئے۔

وہ آگے کو مڑا اور عبدالرزاق کو دیکھا مگر تب تک اسکی آنکھیں اسکا ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا چکا تھا۔

گہرا اندھیرا۔۔

☆☆☆

(اور جب تم جاؤ گے وہاں تو رہ جاؤ گے دنگ)

(وہ جو سمندر کے پاس ہے ایک خستہ حال مکان)

دولۃالقطر کے شہر 'دوحۃ' کے ساحل سمندر سے چند میل دور ہیں، چند خستہ حال مکانوں کی ٹولی سی۔ وہ سب ٹوٹے پھوٹے سے ہیں، اور وہاں کسی کا آنا جانا نہیں ہوتا۔ مانا جاتا ہے کہ اس محلے کے مکینوں نے یہ مکان برسوں سے چھوڑے ہوئے ہیں کیونکہ یہ مکان پراسرار سمجھے جاتے ہیں اور یہاں آسیب کا سایہ ہے۔ 'خلیج فارس' یعنی 'پرژین گلف' عرب کے موتی یعنی بحرین سے گزرتا ہے، جس کا ایک سرا دوحۃ کے ساحل سے ملتا ہے۔ قطر اور بحرین کے درمیان سے ہر قسم کے تعلقات ختم ہو گئے ہیں مگر پانی کو بھلا آج تک کوئی روک سکا ہے؟ پانی تو گزرے گا، لہروں میں!

(اس کی زمیں تلے آباد ہے ایک دنیا)

(تم چاہ کر بھی نہ ڈھونڈ پاؤ گے اسے اگر وہ نہ چاہے)

ان گھروں کے تہہ خانے ہیں ہیں یا پھر لوگوں نے خود ہی اپنے لئے گھروں تلے تہہ خانے بنا رکھے تھے۔ مگر جب، اب وہاں کوئی نہیں رہتا تو وہ تہہ خانے بھی نہیں رہے بلکہ اب وہ راستے بن گئے ہیں۔ ایک ہی دنیا میں آباد دو طرح کے مکینوں کے۔ عام اور خاص! ان راستوں تک آج تک کوئی نہیں پہنچا۔ وہ آج تک کوئی نہیں دیکھ پایا۔ ان راستوں کو بس وہی دیکھ سکتا ہے جسے ان راستوں کے اندر کی دنیا کے مکین دکھانا

چاہیں۔یعنی اس دنیا میں صرف وہی شخص جا سکتا ہے، جسے اندر والے بلانا چاہیں۔ مگر اندر کی دنیا والے جب چاہیں باہر آ سکتے ہیں۔

(اور جب پہنچتے ہیں اس مکان تلے تو کیا دیکھتے ہیں)

(ایک عجب راہداری سی، جس کو عبور کرنا ہے تمکو)

ان مکانوں تلے بھی کوئی دنیا آباد ہو سکتی ہے،اس بات کا کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا۔ وہاں صرف وہی لوگ جاتے ہیں، جن کے لئے ان کی جان کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جب ان خستہ حال مکانوں میں سے کسی ایک مکان کے راستے سے نیچے کو جاؤ تو تمہے کچھ نظر آئے گا۔ جیسے کوئی گلی، کوئی راستہ یا پھر کوئی لمبی راہداری سی۔

(راہداری اندھیر ہے مگر لگے گی تمکو روشن)

(اس کا کوئی آسمان نہیں مگر زمیں ہی آسماں ہے)

وہ راہداری بلکل اندھیر ہے۔اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ مکانوں تلے دبی ہے۔ وہ راہداری زیرِ زمین واقع ہے مگر جب ہم اندر جاتے ہیں تو اندھیرے کے بجائے ہمیں روشنی ملتی ہے۔ وہ راہداری روشن ہے۔ وہ ایک ایسے راہداری ہے، جس کے اوپر کوئی آسمان نہیں ہے بلکہ وہ زمین جن کے نیچے وہ راہداری بنی ہے وہی اس کا آسمان ہے۔

(رستے میں ملے گی تمہے ایک عجیب سی مخلوق)

(وہ جو عام دنیا میں نہیں ہے، مگر وہیں سے آئی ہے)

جب ہم اس راہداری کو عبور کرتے ہیں تو ہمیں عجیب سے لوگ نظر آتے ہیں۔ جو عام دنیا کے لوگوں سے قدرے مختلف ہیں۔ نہیں! شکل وصورت میں تو وہ بلکل عام انسانوں کی طرح لگتے ہیں۔ ہنستے مسکراتے، کھیلتے، سانس لیتے۔ کہیں تھوڑے چھوٹے تو کہیں تھوڑے بڑے مگر ان میں کچھ ہے ایسا جو عام دنیا کے انسانوں میں نہیں ہوتا۔

(پھر عبور کر کے راہداری دیکھو گے تم)

(ایک چمکتا سا محل، جس کے باہر سب بیٹھے ہیں)

پھر جوں جوں ہم وہ طویل راہداری عبور کرتے ہیں تو کیا عجیب منظر دیکھتے ہیں۔ سامنے ایک چمکتا ہوا سنہرا سا محل نما گھر سا نظر آتا ہے نظر آتا ہے۔ اور اس راہداری میں جابجا جن لوگوں کو دیکھ دیکھ کر گزر آئے ہیں، ان کی طرح مگر مختلف، خاصیت والے لوگ یہاں بھی موجود ہیں۔ اس چمکتے محل کے باہر۔ گھر بھی ایسا کہ بس اسکی ایک ہی دیوار نظر آتی ہے سامنے والی۔

(عجیب نظروں والے، گورنگ برنگ)

(کہیں لال، کہیں سیاہ، کہیں ہری)

ان عجیب خاصیتوں والے لوگوں کا ایک ہجوم یہاں بھی بیٹھا ہے۔ مگر ان کی شکلیں مختلف ہیں اور ان کی آنکھیں۔۔ان کی آنکھیں بھی اس محل کی طرح چمک دمک سی رہی ہیں۔ تقریباً سب کی آنکھوں کے رنگ مختلف ہیں، بلکل مختلف۔ کسی کی آنکھیں سرخ رنگ کی ہیں، تو کہیں بیچ میں سیاہ رنگ والی بھی نظر آجاتی ہیں۔ کہیں کوئی بھوری آنکھوں والی بیٹھی ہے تو دوسری طرف ہری آنکھوں والا بیٹھا نظر آتا ہے۔ بس ایک ہی چیز ان سب میں مشترک نظر آتی ہے اور وہ ان کی زبان ہے۔ وہ سب آپس میں بس عربی زبان میں بات کر رہے ہیں۔ خالص عربی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب وہیں (قطر) کے باشندے ہیں۔

(محل میں داخل ہو جاؤ تو اندر ہیں)

(ڈھیروں کمرے دیکھنے میں)

پھر اس زیرِ زمین محل نما گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور اندر کا منظر نظر آتا ہے۔ کچھ لوگ اندر سے نکلتے ہیں تو کچھ اندر چلے جاتے ہیں۔ وہی رنگ برنگ سی آنکھوں والے۔ کچھ ویسے ہی باہر بیٹھے رہتے ہیں۔ محل کی سیڑھیوں میں یا تھوڑی آگے زمین پر، یا پھر بیچ کہیں راہداری میں بھی کچھ بیٹھے ہیں، کچھ کھڑے ہیں۔ کچھ گو کرتب دکھا رہے ہیں اپنی

طاقتوں کے۔ پھر کچھ ایک دوسرے سے ہم کلام۔ محل کے اندر بے شمار کمرے سے بنے ہیں۔اور بیچ میں عربی کلچر کی نقش و نگاری ہوئی ہے۔ خوبصورت اور دلکش۔

(جو ہیں وسیع اور وہاں لوگ بھرے ہوتے ہیں)

(اور وہاں اندر کوئی کچھ بول رہا ہوتا ہے اس پل)

کچھ لوگ محل کے ایک کمرے میں بھرے نظر آتے ہیں۔ان کی عمریں بھی، باہر موجود لڑکے لڑکیوں سے بڑی تھیں۔ وہاں کوئی تھا بول رہا تھا۔اور سب اسے دھیان سے سن رہے تھے۔

☆☆☆

دولۃالقطر کے شہر دوحۃ میں ساحل سمندر میں 'عرب کے موتی' سے آتا پانی شراٹیں مار رہا تھا۔ شدید گرمی کے باعث پانی بھی نیم گرم سا تھا۔ دھوپ تیز تھی مگراب ڈھل رہی تھی۔ ساحل سمندر سے چند میل دور ایک محلہ سا آتا ہے۔ پرانہ۔ خستہ حال۔ وہاں بہت سے گھر بنے ہیں مگران گھروں میں کوئی رہتا نہیں ہے۔ پھر ان گھروں کی نیچے کی دنیا میں آؤ تو دیکھو، راہداری ہے جسے عبور کرو تو محل نما اونچا بڑا بنگلا سا نظر آئےگا۔ جس کی بس ایک ہی سامنے والی دیوار نظر آتی ہے۔

محل کے اندر جاؤ تو بہت سے کمرے ہیں۔ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہے جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔وہ سب لوگ بیٹھے نہایت اطمینان، توجّہ اور یکجوئی سے کسی کو سن رہے ہیں۔

زرا قریب جا کر دیکھو اسکو، جسے سب سن رہے ہیں، تو وہ ایک پختہ عمر کا آدمی ہے۔دیکھنے میں 50 کے قریب لگتا ہے۔براؤن لانگ کوٹ میں ملبوس، بال سیاہ ہیٹ میں چھپائے، سیاہ آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھائے وہ اپنی بھاری، سخت مردانہ آواز میں سب کو کچھ بتا رہا تھا۔وہ ایک کرسی پر براجمان تھا اور ہاتھ میں وہی سٹک سی پکڑ رکھی تھی جو ہمیشہ اس کے پاس نظر آتی تھی۔آدمی کے پیچھے کرسی پر ایک عورت بھی بیٹھی ہے۔سفید بالوں والی، بوڑھی سی۔دیکھنے میں ستّر (70) سال کی لگتی تھی۔چہرے سے جھڑیاں اور بڑھاپا جھلک رہا تھا مگر گردن اعتماد سے اٹھی تھی۔اعتماد تھا یا غرور یا پھر ایک عجیب سا تکبر۔ملکہ ہونے کی شان! بڑھیا بس مسکرائے جا رہی تھی۔عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"تو آخر اتنے سالوں بعد، اپنی ساری عمر آپ لوگوں کے نام کرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ۔۔"لہجہ خالص عربی تھا۔سب مسکرائے بس ہلکا سا۔"کہ میں شادی کرنے جا رہا ہوں۔"

لوگوں کے ہجوم میں مسکراہٹیں اور ایک شور سا مچا۔ پھر ایک لڑکا اٹھا۔

"مگر لڑکی کون ہے اور کہاں سے ہے؟" سب لوگ دل تھام کر جواب کا انتظار کرنے لگے۔

"ایک پاکستانی لڑکی ہے!" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مگر اتنے غریب ملک سے لڑکی لانے کی کیا ضرورت ہے؟" کچھ کے چہرے بجھ سے گئے۔

"اسکے پیچھے کوئی وجہ ہے۔" سب پھر مطمئن ہو گئے۔ وہ جانتے تھے انکا 'مسیحا' ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔

"وہ آپکو کہاں ملی؟ ہمیں بھی ملوائیں نا!" ایک کم عمر لڑکا تیزی سے بولا۔ اندر کی آوازیں سن کر باہر دروازے پر لوگ کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کے کانوں میں کھسر پھسر کرنے لگے اور پھر آہستہ آہستہ ان کے چہروں پر بھی مسکراہٹ در آئی۔

"ہاں، ہمیں بھی ملنا ہے اس سے!" اس بار ایک لڑکی بولی۔

"سب مل لینا۔ وہ بس کچھ ہی دنوں میں آ جائے گی۔" اس نے ہاتھ ہلا کر تسلی سی دی۔

"مگر وہ یہاں کب آئے گی؟ ہماری جگہ پر؟"

"بس چند مہینے بعد!" زرا سوچ کر بولا۔ پیچھے بیٹھی ملکہ نے زرا سی نظر اس پر ڈالی اور پھر واپس ان لوگوں کو دیکھنے لگی۔اس کی عمر یہاں موجود ہر شخص سے زیادہ تھی۔

"وہ آپکو کیسے ملی؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔ پیچھے بیٹھی ملکہ کی گردن اب بھی اکڑی ہوئی تھی۔

"ہم جب پاکستان گئے تھے۔وہاں سے اس بچے کو اٹھانے،تو وہ ہمیں ایک مال میں ملی تھی۔" اس نے یاد کرتے ہوئے بولا۔

"آخر آپکو اس میں ایسا کیا نظر آگیا جو آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟" ایک لڑکی خفگی سے پوچھ پڑی پھر آنکھیں چمکیں۔ "کیا وہ خوبصورت ہے؟"

"وہ بہت خوبصورت ہے!" ملکہ پیچھے سے پہلی بار بولی۔ آدمی زرا مسکرایا تھا۔

"اس کی۔۔اس کی سنہری روشن سی آنکھیں،جن میں۔۔جن میں عجیب سی چمک تھی ہماری ماں کی آنکھوں سے ملتی ہیں۔اور اسکے نرم دودھیا سے گال بھی۔اور اس کے بالوں کا رنگ۔۔ بلکل ہماری ماں کے بھورے بالوں جیسا تھا۔"

وہ اس لڑکی کے چہرے کے ایک ایک اعضاء کو یاد کرتے بولا۔ پھر جب سب خاموش ہو گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ اب کوئی دوبارہ سوال نہیں کریگا تو خود ہی زرا تیز آواز میں تحکم سے بولا۔

"تو پھر تیار ہو جاؤ تم سب اپنی 'ملکہ 'کا استقبال کرنے !"

سب کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹیں در آئیں۔اور پیچھے بیٹھی ملکہ کے چہرے کی ساری اکڑ والی مسکراہٹ اور غرور سے اٹھی گردن اور چہرے پر موجود سارا تکبر پانی پانی ہو گیا۔اسے لگا اس کے سر سے تاج چھین لیا گیا ہے۔اس کی شان،اس کا تاج ! وہ ایک جھٹکے سے اس آدمی کو دیکھی۔اسکی آنکھوں میں گو ایک افسوس تھا یا جانے کیا ! مگر کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک لڑکا اٹھا۔ بلکل پیچھے کی صف سے۔آدمی نے بھنویں حیرانی سے بھینچ کر اسے دیکھا۔

"اب بھی کوئی سوال رہ گیا ہے کیا؟"وہ حیران سا تھا۔

"آپ نے ہمیں اس کا نام نہیں بتایا۔"ساتھ ہی سب نے دوبارہ اس پر نظریں جما لیں۔

"اس کا نام ہے۔۔"چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ در آئی۔"نورالعرش۔"

☆☆☆

آج کی تاریخ سے 27 برس قبل 'سعودی عرب'کے دارالحکومت 'الریاض'پر ابھی اندھیرا پوری طرح غالب نہیں آیا تھا۔سورج چھپنے کی تیاری کر رہا تھا اور چاند گو رات

پر اپنا پہرا دینے کی۔ گرمی اپنے جوبن پر تھی اور مٹی بھری صحرا جیسی گرم ہوائیں چل رہی تھیں۔'امام ترکی بن عبداللہ مسجد'میں مغرب کی آواز پڑھائی جا رہی تھی۔ تبھی پیچھے کے راستے سے ایک عورت دو بچوں کو لئے جا رہی تھی۔ وقتاً فوقتاً پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتی۔ چہرے پر عجب ساڈر تھا۔الریاض کے تمام باشندہ عورتوں کی طرح،سیاہ برقعہ پہنے وہ اب موڑ مڑ رہی تھی کہ آگے دیکھ کر ٹھٹک کر رکی۔بچے جو کہ مسکراتے ہوئے چل رہے تھے دونوں ایک ہی عمر کے تھے اور دیکھنے میں 3 سال سے زیادہ کے نہ لگتے تھے۔ماں کے رکنے پر دونوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔آگے دیوار کے ساتھ ایک اور عورت سیاہ برقعے میں دیوار سے ٹکی کھڑی تھی۔ بچوں کی ماں دو قدم پیچھے کو ہوئی۔ پھر گویا ہوئی۔

"کیا چاہیے تمہے؟ میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو؟"خالص عربی میں پوچھا اور ساتھ ہی بچوں کا ہاتھ مزید کس ّکر پکڑ لیا۔

"تمہارے بچے کتنے پیارے ہیں۔(بچوں کی ماں کے چہرے پر پسینہ آگیا۔) مجھ سے نہیں ملواؤ گی،سعد بن عبداللہ اور بلال بن عبداللہ کو؟"سیاہ برقعہ پہنے،چہرہ ظاہر تھا۔عمر قریباً 45 لگتی تھی،مگر چہرہ قدرے پر اعتماد تھا،کسی ملکہ کی طرح۔ جھک کر

دونوں کے آگے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ عورت ڈر کر بچوں کو لئے واپس مڑنے لگی۔

"رک جاؤ! میں تو بس ان بچوں کو لینے آئی تھی۔ ان کا نیا گھر انکا انتظار کر رہا ہے۔

"ساتھ ہی ہنسی۔

"دیکھو، میرا اور میرے بچوں کا پیچھا چھوڑ دو! ان کے باپ کے مرنے کے بعد، اب یہی میرا آخری سہارا ہیں۔ میں جانتی ہوں تمہے ان کی خاصیت کے بارے میں علم ہے، مگر یہاں اور کسی کو علم نہیں ہے۔ تم خدا کے لئے چھوڑ دو ہمیں!" وہ رونے کو آ گئی۔

"تم ان کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ تم انکے قابل نہیں ہو۔" وہ سخت لہجے میں بولنے لگی۔

"یہ مجھے خدا کی طرف سے نوازے گئے ہیں۔ یہ میرے لئے کسی تحفے سے کم نہیں ہیں۔" وہ چلّا کر بولی۔

"تحفے ان کو دیے جاتے ہیں، جو تحفوں کے قابل ہوتے ہیں اور انکی حفاظت کر سکتے ہیں۔ مگر تم کبھی انکی حفاظت نہیں کر سکو گی۔ یہ دنیا انہیں استعمال کرے گی اور اگر آج میں نہیں تو کل یہ غلط ہاتھوں استعمال ہو جائیں گے۔" پھر مسکرائی۔

New Era Magazine

"تم کیاچاہتی ہو؟"وہ غمزدہ سی بولی۔

"تمہاری زندگی!"جواب صاف تھا۔

"مجھے مار کر تمہے کیا ملے گا؟"تڑپتاہوالہجہ۔

"یہ بچے!"پھر ہنسی قہقہہ مار کے۔بچوں کی ماں نے لمحے بھر کواسے دیکھتی رہی۔پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"اوراگر میں تمھیں یہ ایسے ہی دے دوں بغیر کسی جھگڑے کے؟"

"یہ تمہاری مرضی ہے۔"بچوں کی ماں نے کچھ سوچکر دونوں بچوں کے ہاتھ اس عورت کے ہاتھ میں پکڑائے اور آنکھوں سے آنسو بے اختیار ٹپکے اور مڑ گئی۔عورت نے دونوں بچوں کے ہاتھ میں کچھ پکڑایا(کچھ کھانے پینے کی چیز)اور وہ خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھے۔ماں مڑی اور دونوں بچوں کو گلے لگایااورانکو کہا۔

"تم دونوں ان آنٹی کے ساتھ جاؤاور میں کچھ دن بعد تمہے لینے آؤں گی۔"دونوں بچوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ماں پھر مڑ کر جانے لگی۔عورت نے دونوں بچوں کو پیچھے جاکر گاڑی میں بٹھادیا۔اور خود آگے آگئی۔

"رکو!"ماں نے آنکھیں میچیں اور وہیں رک گئی۔

"تم نے مجھے اپنی مرضی تو بتادی مگر میری مرضی نہیں سنی۔ساتھ ہی اپنے برقعے کی جیب سے آرام سے کچھ نکالا۔اندھیرا اب شہر پر طاری ہو چکا تھا۔

"کیا میں نے ایسا کچھ کہا کہ میں تمہاری جان چھوڑ دوں گی؟ نہیں نا؟"(عورت کی آنکھوں سے بے اختیار بہت سے آنسو گرے اور آنکھوں میں اپنے بچوں کی آخری مسکراتی تصویر محفوظ کر کے آنکھیں میچ لیں)پیچھے سے ایک زوردار وار کیا گیا،اسی خنجر سے جس پر اب بھی کسی کا سوکھا خون نظر آتا تھا۔

ماں نے درد سے کراہا مگر آنکھیں ویسے ہی میچیں رکھیں۔پیچھے والی عورت زرا مسکرائی اور مڑ گئی۔

☆☆☆

اس شام گھر میں بے حد خاموشی پھیلی تھی۔حبیب اور عثمان،سکندر کے ساتھ کسی دوست کے گھر ملنے گئے تھے،جبکہ ثناء اور زیمل پارلر گئے ہوئے تھے۔شادی سے پہلے کی بھی کچھ تیاریاں ہوتی ہیں بھئی!جنید البتہ گھر پر ہی تھا مگر وہ زیادہ وقت کمرے میں ہی رہتا تھا۔

لاؤنج میں بس نور،حلیمہ،زرینہ اور دادی جان بیٹھی تھیں۔دادی جان کے ہاتھ میں حسبِ معمول اون اور سوئی تھی اور وہ کچھ بن رہی تھیں۔جب بھی موڈ اچھا ہوتا،وہ

کچھ نہ کچھ ایسا ہی کر رہی ہوتیں۔اور یہ تو پاکستانی عوام کا خاص نسخہ تھا کہ موسم اچھا ہو گا تو موڈ بھی اچھا ہو گا۔نور بھی آج آؤٹنگ پر جانا چاہتی تھی مگر مریم اپنی دوست کے گھر تھی،حبیب،سکندر کے ساتھ اور اسکی واحد دوست،عائزہ لاہور گئی ہوئی تھی۔اکیلے جانے سے بہتر تھا کہ وہ گھر ہی بیٹھ جائے اور ان عورتوں کے گاسپس انجوائے کرے۔

شادی قریب آ رہی تھی توان عورتوں (حلیمہ،زرینہ اور دادی جان) کو ایک خاص ٹاپک ملا ہوا تھا کہ کس کس کو بلانا ہے اور کس کس کو نہیں۔ساتھ ہی ساری ارینج مینٹس بھی ڈسکس کی جا رہی تھیں۔نور لیپ ٹاپ آن کئے کچھ لکھ رہی تھی۔وہ اکثر کچھ میگزینز کے لئے آرٹیکلز لکھتی تھی اور آج بھی وہ یقیناً یہی کر رہی تھی۔

سامنے ٹی وی سکرین پر نیوز چل رہی تھی،جسے کوئی بھی سننے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا اس وقت۔تبھی بریکنگ نیوز سننے کو سب کی نظریں اوپر کو اٹھیں۔

"آج کی بریننگ نیوز!!۔۔"سب نے سکرین کو دیکھا۔اور گاسپس زرا کی دیر کو روکے۔

"نیو ائیر نائٹ کو گم ہونے والے ٹین ایج لڑکے،کو گم ہوئے آج ڈیڑھ ماہ ہونے کو ہے مگر ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا۔گمشدگی کے ابھی تک کوئی ثبوت نہیں ملے۔۔"

"چچ چچ!اللہ رحم کرے۔"دادی جان تکلیف سے بول اٹھیں۔

"اس سٹریٹ کے سارے سی سی ٹی وی کیمرازسے اس رات کی فٹیج مٹائی جا چکی ہے۔ کڈنیپرز یقیناً کوئی بہت ماہر ہیکرز تھے۔۔"

"استغفر اللہ! کیسا زمانہ آگیا ہے بھلا۔" حلیمہ بھی بول پڑیں۔

"گمشدہ لڑکے کے ماں باپ کا کہنا ہے کہ ابھی تک کڈنیپرز کی کوئی کال وغیرہ نہیں آئی۔اور پولیس نے سارے شہر کا چپّہ چپّہ چھان مارا ہے مگر نہ کوئی ثبوت ملے نہ ہی لاش۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکا خود ہی گھر سے بھاگا ہے مگر ایک مینٹلی اپسیٹ لڑکا ساری سٹریٹ کے کیمراز ہیک کر سکتا ہے، نہ ہی ایک رات میں شہر سے باہر بھاگ سکتا ہے۔۔"

اب نیوز چینل پر لڑکے کی تصویر دکھائی جا رہی تھی، جو کہ عالیان تھا۔اور نور بغور دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے "ڈی-جا-وو" جیسی فیلینگ آرہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اس لڑکے کو کہیں دیکھ رکھا ہے۔

جی ہاں، زندگی اکثر آگے آنے والے چہروں کی جھلک پہلے ہی دکھا دیتی ہے۔

☆☆☆

اسلام آباد کا ایک پوش علاقہ ہمیشہ کی طرح خاموش، پر سکون اور انجان سا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، اور اس علاقے میں چڑیوں کی چہچہاہٹ بھی سنائی نہ دیتی

تھی۔صاف اور شفاف سا روڈ تھا۔اور روڈ کے دونوں اطراف اونچے چوڑے بنگلے بنے پڑے تھے۔انہی میں سے ایک گھر کے باہر 'غفار ہاؤس' کی تختی لگی تھی۔

گھر کے اندر ڈرائنگ روم میں بے پناہ روشنیاں اتری ہوئی تھیں۔ڈھیروں لائٹ بلبس کے باعث کمرہ خاصا روشن تھا۔چاروں طرف صوفے پڑے تھے۔ڈرائنگ روم میں اس وقت دو افراد موجود تھے۔ایک،ایک صوفے پر آرام سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا،جبکہ دوسرا ازراغیر آرام دہ انداز میں ماتھے پر بل پھیلائے زرا غصّے سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"دیکھو ارتضیٰ! میں تو تمہے یہی مشورہ دونگا کہ ان چکروں میں مت پڑو۔یہ سب یونی کے کھیل تماشے ہوتے ہیں،اگر ان چکروں میں پڑ گئے تو پڑھائی۔۔"

"زیادہ میرا باپ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔آخر وہ سمجھتی کیا ہے خود کو؟"

"تمہے ضرورت ہی کیا تھی ایسی لڑکیوں سے پنگے لینے کی؟"ڈھیٹ انسانوں والا چہرہ۔ہلکی داڑھی۔سیاہ جیکٹ کے نیچے جینز۔

"میں نے اس سے کوئی پنگا نہیں لیا،وہی لڑنے لگ گئی۔میں نے بس ہلکی سی شرارت (سامنے بیٹھا وجیہہ سامر دا سے دونوں بھنویں اٹھا کر طنزیہ سا دیکھا)۔۔مطلب جو

سب یونی میں کرتے ہیں۔ لیکن وہ کچھ زیادہ سیریس ہو گئی۔اور میں،'میں' جو کہ یونی کے سینیر کورڈینیٹر کا بیٹا ہوں، مجھ سے لڑنے لگ گئی۔آخر وہ ہے کی۔۔"

"تم خود کیا ہو؟"سوال غیر متوقع تھا۔ارتضیٰ شعلہ وار نظروں سے اسے دیکھا۔

"دیکھو مراد! تمہارا جو کام ہے تم وہیں تک رہو۔میں تمہے اس کام کے تین گنا زیادہ پیسے دے رہا ہوں، تمہارا کام بس اتنا ہی ہے کہ تم مجھے اس لڑکی کے بارے میں ساری معلومات اکھٹی کر کے دو۔پھر آگے میں جو بھی کروں، وہ میرا کام ہے۔"

مراد نے آگے ہو کر ٹیبل پر پڑی پلیٹ میں سے ایک سینڈوچ اٹھایا۔اور مسکرا کر دیکھا۔

"اوکے۔اور سناؤ؟"ارتضیٰ نے پھر سے گہرا سانس لیا۔یہ آدمی برداشت سے باہر تھا۔ مگر ہر کام میں بے حد ماہر تھا، تو اسے برداشت کرنا ہی تھا۔

"کب تک ہو جائیگا کام؟"

"جب تم کہو!"

"میں اگلے ہفتے دبئی جا رہا ہوں، اور دو ہفتے بعد لوٹوں گا۔میں چاہتا ہوں کہ میں جب بھی لوٹوں، تم اگلے دن ہی مجھے ساری انفو دے دو۔"

مراد نے کوئی جواب نہیں دیا۔بس سینڈوچ انجوائے کرتا رہا۔

"ہو جائےگا؟" پھر زرا غصے سے اس نان سیریس شخص کو دیکھنے لگا جو نا جانے اس کی بات میں انٹرسٹڈ بھی تھا یا نہیں؟

"ہو جائےگا!" پھر اٹھنے لگا۔ "ویسے کیا نام بتایا تھا تم نے لڑکی کا؟"

"میں نے تمہے کوئی نام نہیں بتایا۔" ارتضیٰ سپاٹ چہرے کے ساتھ بولا۔

"ہاں، میں بھی تمہے یہی یاد کروا رہا تھا کہ تم نے مجھے کوئی نام نہیں بتایا۔"

ارتضیٰ بس لمحے بھر کو سوچا اور پھر فٹ سے بولا۔

"نتاشا۔" مراد بس لمحے کو ٹھٹکا اور سنبھل کر سر ہلایا۔

ارتضیٰ مسکرا دیا۔ اس نے مراد کو بس ایک فرضی نام بتایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی قابلیت کی بناء پر اس لڑکی کو ڈھونڈے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مراد اس لڑکی کو ڈھونڈ ہی لے گا جس کا نام نورالعرش ہے۔ مراد اس کی چال سمجھ گیا تھا۔

پھر ڈرائنگ روم کے دروازے سے نکلتے وہ زرا ٹھٹکا پھر رکا۔

"کیا؟" ارتضیٰ اسکے پیچھے ہی تھا۔ اسے رکتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"ویسے تم مائنڈ تو نہیں کروگے اگر۔۔"

"اگر؟"

"اگر میں وہاں سے ایک اور سینڈوچ لے لوں؟"

"شیور!"ارتضیٰ دروازے کے آگے سے ہٹا اور وہ جلدی سے میز کے آگے گیا اور جھک کر سینڈوچ اٹھالیا۔ پھر مڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"سوری! بہت بھوک لگی تھی۔"ارتضیٰ بلکل بھی نہیں مسکرایا۔اسے یہ آدمی زہر لگ رہا تھا اس وقت مگر اسے ابھی اس کی ضرورت تھی۔

دونوں اب باہر نکل گئے۔ پھر گیٹ سے نکل کر مراد نے اپنی جیب سے کچھ نکال کر دیکھا۔

☆☆☆

قطر پر رات گہری اتر رہی تھی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تبھی دوحہ کے ایک چھوٹے علاقے میں جاؤ تو وہاں چھوٹے گھروں میں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ان علاقوں میں لوگ عموماً جلدی سو جایا کرتے تھے زیادہ دیر تک راتوں کو گھروں میں آنا جانا نہیں کرتے تھے۔ تبھی ان گھروں میں سب سے آخری گھر میں آؤ، جو باقی سب گھروں کی طرح ہی بنا تھا، تو دیکھو کہ اندر ابھی سب کچھ خاموش نہیں ہوا۔

گھر میں صرف دو ہی کمرے ہیں اور دونوں کی بتیاں بجھی ہوئی ہیں۔ مگر ایک کمرے سے ٹک ٹک کی مسلسل آواز آرہی ہے۔ پھر دروازے کی لکڑی کو چیر کر اندر داخل ہو تو اندر بھی اندھیرا ہی ملے گا۔ مگر سامنے پڑے پلنگ پر کوئی بیٹھا ہے۔ چہرے پر بس ہلکی

روشنی پڑ رہی ہے، جس سے یہ واضع ہوتا ہے کہ وہ کوئی لڑکی ہے۔انگلیاں لیپ ٹاپ پر ٹک ٹک چل رہی ہیں۔

زرا قریب آکر دیکھو، تو ساتھ بے شمار گند پڑا ہے، جس کے درمیان وہ بیٹھی ہے۔سوکھے کولا کینز، چپس اور پاپ کورنز کے پیکٹ، چند ڈبے، چاکلیٹ کا کچرہ، چند دوائیوں کے پلتے، چند شیشے کی بوتلیں اور چند پھونکی ہوئی سگریٹس وغیرہ۔

لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھو تو کوئی ویبسائٹ کھلی پڑی تھی۔وہ 'ٹار براؤزر' تھا، یعنی کام ڈارک ویب پر کیا جا رہا تھا۔لڑکی نے ایک کلک کیا اور چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔پھر زرا لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھ کر اٹھ گئی۔

اٹھ کر کھڑکی تک آئی تو باہر نظر آتے چاند نے اس کے چہرے پر بے شمار روشنی ڈالی۔گندمی رنگت اور بڑی سیاہ آنکھیں چاند کو دیکھ کر چمکیں۔پھر پیچھے مڑ کر ٹیبل تک گئی اور دراز کھول کر اندر سے سگریٹ نکالی۔دوسرے ہاتھ سے سر پر بندھے جوڑے کو کھولا، سیاہ، کندھوں سے تھوڑا نیچے تک، آتے بال نیچے آ گرے۔ تبھی خاموشی کو چیرتی ایک آواز سی گونجی۔جیسے کوئی موبائل ٹون۔اسنے سگریٹ کے دو اور پھونکے مارے پھر زمین پر پھینک پر جوتے سے مسل دیا۔گند کے اوپر سے قدم قدم چلتی سامنے والی دیوار کے پاس گئی،اور ایک دراز قد الماری کی اوپر سے دوسری دراز کھولی۔

اندر ڈھروں موبائلز پڑے تھے۔ان میں سے ایک موبائل پر بتی روشن تھی اور ٹون بج رہی تھی۔

"تیرا کام ہو گیا ہے!"کال اٹھاتے ہی بولی۔زبان عربی تھی۔

دوسری طرف کا جواب سن کر اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"تو کون ہے مجھے بتانے والا کہ میں کدھر آجاؤں؟"

"سن میری بات! جس جگہ کا ایڈریس سینڈ کر رہی ہوں، آجانا۔ایک سیکنڈ بھی دیر ہوئی تو یاد رکھنا پچھتائے گا۔"

"میرا کام ہوا؟"اب وہ پوچھ رہی تھی۔

"اگر کچھ بھی گڑبڑ ہوئی نا، تو یاد رکھنا! یہ سارا حکومت کا ڈیٹا ڈارک ویب پر لیک ہو جائےگا۔اور، تو اچھی طرح جانتا۔۔"

"دوبارہ!!(چلاّ کر بولی) میری بات کاٹی تو تیرے گھر میں کل تیری لاش پہنچے گی اور یہ ڈیٹا دنیا بھر کے نیٹ پر۔"

پھر گہرا سانس لیا۔

"ایڈریس سیند کر رہی ہوں۔میرا بیگ لا کر ادھر رکھ دے، تجھے تیرا ڈیٹا بھی ادھر ہی ملے گا۔"کہہ کر موبائل کان سے ہٹایا اور کچھ بٹن دبا کر واپس دراز میں رکھا۔

پھر کمرے کے دوسرے کونے پر کھڑے سٹینڈ تک آئی اور اس کے اوپر لٹکی جیکٹ اتاری اور پہن لی۔ پھر لیپ ٹاپ کے پاس آئی اور ٹیبل سے ایک فلیش اٹھا کر لیپ ٹاپ میں لگا دی۔ دراز سے ایک اور سگریٹ نکالی اور ایک، دو، تین، چار۔۔ پھونکے ماریں اور ہونٹوں سے جدا کی اور زمین پر گرا کر پیروں سے مسل دیا۔ پھر لیپ ٹاپ کے پاس آکر فلیش اس سے اتاری اور جیب میں ڈالی۔ اسکے بعد کمرے کی کنڈی کھول کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ سامنے کھلا صحن تھا اور ساتھ کمرہ جسکی بتی بجھی تھی۔ وہ کمرے میں گھسی اور اندر کی بتی جلائی۔ کمرہ روشن ہوا تو اندر کا منظر واضع ہوا۔ یہاں بھی ویسا ہی منظر تھا، جیسا دوسرے کمرے میں۔ ہر طرف گند ہی گند۔ سامنے ایک بیڈ اور سائڈ ٹیبل مگر یہاں سامنے ایک الماری بھی تھی۔ وہ گند پر سے قدم قدم چلتی الماری کھولی۔ اندر اسلحہ ہی اسلحہ بھرا تھا۔ اسنے بس ایک پستول اٹھالی اور اسے لوڈ کر لیا پھر بتی بجھا کر کمرے سے نکل گئی اور پھر گھر سے محتاط انداز میں نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹی تنگ سی گلی میں چل رہی تھی، جو کہ روڈ سے تھوڑا سائڈ پر تھی۔ تھوڑا آگے دیوار کے ساتھ کمر ٹکائے ایک آدمی نظر آیا۔ چہرہ نظر نہیں آرہا تھا کہ اس نے سر پر ہڈ اور چہرہ کو ماسک سے ڈھک رکھا تھا۔ اسکے ساتھ ایک بیگ پڑا تھا۔ لڑکی سیدھا چلتی رہی اور ایک شان سے بیگ آدمی کے پاس سے اٹھا کر وہیں فلیش پھینک دی

اور سیدھا چلی گئی۔اور یہ کام یوں کیا جیسا اپنا سامان ہی اٹھایا ہو اور زرا بھی نہیں سوچا اور لمحے میں یہ کام کر لیا۔وہ پروفیشنل تھی۔پیچھے والی آدمی نے فلیش اٹھائی اور اپنا راستہ ناپا۔یوں جیسے وہ فلیش تو اسی نے رکھی تھی اور دوبارہ اٹھا کر چل دیا۔پروفیشنلزم! لڑکی کا چہرہ بلکل سپاٹ سا تھا۔بیگ اٹھاتے ہوئے بھی زرا نہ مسکرائی۔گھر پہنچ کر بیگ کھولا تو اندر ایک کارڈ سا موجود تھا۔اب کہ وہ مسکرائی تو دل سے۔وہ جانتی تھی وہ لوگ اسکے ساتھ دھوکہ نہیں کریں گے کہ وہ ایسے ہیکرز سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔

پھر بیگ بند کر کے الماری میں رکھا اور کارڈ اٹھا کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔بتی نہیں روشن کی۔بس سائڈ ٹیبل سے ایک پلتا اٹھایا دوائی کا اور اس میں سے تین گولیاں نکال لیں اور پانی کے بغیر ہضم کر لیا۔پلتا اب خالی ہو گیا تھا،اسنے زمین پر پھینک دیا اور پاس پڑے فریج سے ایک ٹھنڈا کین نکال لیا۔غٹ غٹ کر کے پی لیا اور زمین پر پھینک دیا۔پھر بیڈ پر چت لیٹ گئی اور کھڑکی کی طرف منہ کئے باہر چمکتے چاند کو دیکھنے لگی۔آنکھ سے بس ایک آنسو سا ٹپکا جو اس کی ناک سے ہوتے ہونٹ پر پھسلا اور پھر تھوڑی سے گردن پر۔اسنے آنکھیں بند کر لیں اور گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆

جنوری کے پہلا ہفتہ:

تیزروشنی۔۔مزید تیزروشنی۔۔سفید چادر۔۔دھندلاپن۔۔ہلکااندھیرا۔۔گہرا اندھیرا۔۔دھیمی آوازیں۔۔روشنی۔۔دھندلاپن۔۔

روشنی۔۔تھکاوٹ۔۔بوجھ۔۔روشنی۔۔منظر واضع۔

عالیان کی آنکھیں آرام سے کھلی۔زرازرامنظر واضع ہوا۔وہ جیسے کسی خواب کی سی کیفیت سے نکلا۔آرام سے اٹھ بیٹھااور ٹھٹک کر رہ گیا۔حیران پریشان۔وہ جانے کس جگہ پر آگیا تھا۔چاروں طرف سفید دیواریں۔اور چاروں دیواروں پر خوبصورت سے تیزروشنی والے 'ایل-ای-ڈی'بلب۔سامنے والی دیوار پر بند دروازہ اور داہنے ہاتھ والی دیوار پر ایک خوبصورت لکڑی کی الماری تھی۔باہنی طرف شیشے والے دراز قد سنگھار میز تھی۔کمرہ خوشبوؤں سے بھرا پڑا تھا،جیسے 'اود' کی لکڑی کی خوشبو۔کمرہ بہت خاص نہیں مگر اچھا تھا۔بس کوئی کھڑکی نہیں تھی۔وہ خود کسی بیڈ پر لیٹاپڑا تھا۔ساتھ ٹیبل پر بھی لیمپس جلے پڑے تھے۔اسنے اپنے کپڑے دیکھے،جو تبدیل اور صاف ستھرے تھے۔

آہستہ آہستہ اسکی یادداشت کام کرنے لگی اور حواس لوٹنے لگے۔اسے یاد آیا اسنے عبدلرزاق کو آخری بار دیکھا اور سنا تھا اور اسکے بعد جیسے وہ نیند میں چلا گیا تھا۔اسے یہ بھی یاد آیا کہ آخری بار اسنے جینز اور شرٹ پہن رکھی تھی مگر یہ تو کوئی شلوار قمیض سی

تھی۔اسنے زرا ہمت کر کے اٹھنا چاہا۔بستر سے پاؤں نکالے اور نیچے اترا۔نیچے عربی طرز کے چپل پڑے تھے۔اسے حیرانی ہوئی۔آخر وہ تھا کہاں؟

قدم قدم چلتے وہ دروازے تک آیا اور ہاتھ بڑھا کر دروازے کی ناب گھما کر دروازہ کھولا۔دروازہ بس کھلتا گیا۔اور جب باہر کا منظر واضع ہوا تو اسکی تو روح تک تحیر کے عالم میں ڈوب گئی۔یہ تو۔۔یہ تو جیسے کچھ اور ہی دنیا تھی۔جیسے کوئی اور ہی عالم ہو۔جیسے **العالم تحت العرض**۔جیسے زمین کے نیچے کی دنیا۔یہ لوگ جو آس پاس پھر رہے تھے لگتا تھا کسی اور ہی دنیا کے ہیں۔لمحے بھر کو تو اسکا دماغ ہی چکرا گیا۔

چند لمحے لگے تھے اس کے دماغ کو یہ منظر سمجھنے میں۔وہ جیسے کسی خوبصورت، عربی طرز کی نقش و نگاری سے منور ایک بنگلے کے کونے والے کمرے کے دروازے کے آگے کھڑا تھا۔شاید یہ سب سے آخری کمرہ تھا۔اس کے داہنی طرف مزید کمرے تھے اور آگے تک جاتے تھے،یقیناً کوئی آٹھ کمرے تھے پھر آگے جا کر دیوار مڑ جاتی تھی۔بیچ والی دیوار اب آتی تھی۔پھر اُس دیوار پر بھی اسی طرح کمرے تھے۔پھر وہ دیوار بھی مڑ جاتی تھی اور عالیان کے کمرے والی دیوار کے بلکل سامنے والی دیوار آتی تھی۔اس میں بھی ایسے ہی کمرے تھے۔پھر وہ دیوار مڑتی تھی اور عالیان کے بائیں ہاتھ والی دیوار آتی تھی جس پر بڑا سا ایک دروازہ سا لگا تھا۔اسکی آنکھوں نے یہ چاروں

New Era Magazine

طرف کا منظر دیکھا تھا۔ بیچ والی دیوار جو کہ دروازے کے سامنے تھی، سے زینے اوپر کو جاتے تھے اور یقیناً اوپر بھی ایسی ہی جگہ بنی تھی۔

بیچ و بیچ وسیع ہال تھا، جہاں مختلف لوگ گھوم رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بے خبر، کچھ جوڑیوں کی صورت میں، تو کچھ ٹولیوں کی صورت میں اور کچھ اکیلے۔ آگے پیچھے۔ وہ سب ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ کچھ ملتے جلتے بھی تھے مگر سب مختلف سے لگتے تھے۔ جیسے سب مختلف ممالک، مختلف نسلوں، مختلف مذاہب، مختلف رنگوں اور مختلف زبانوں کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ کوئی سفید تھا تو کوئی سیاہ فام۔ کسی کی آنکھوں کا رنگ نیلا تھا تو کسی کا بھورا، پھر کوئی کوری آنکھوں والا بھی نظر میں آ جاتا تھا۔ بس سب میں تقریباً ایک ہی چیز کامن تھی کے زیادہ تر مردوں نے توب (چغا نما لمبی ٹخنوں تک آتی قمیض، جو عربی لوگ عماماً پہنتے ہیں) پہن رکھی تھی۔ عورتوں نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور سر پر حجاب بھی پہن رکھا تھا۔ کچھ نے برقعہ پہن رکھا تھا۔ پھر کچھ کے سر پر دوپٹہ بھی نہ تھا۔ کچھ مردوں نے ٹوپیاں، جبکہ کچھ نے گوترا (عربی ٹوپی) پہن رکھی تھی۔ وہاں سب قریباً کم عمر کے ہی تھے۔ کوئی بھی زیادہ بڑی عمر کا نہ تھا۔ اور وہاں مختلف عمر کے لوگ تھے۔ چھوٹے، بڑے، ٹین ایجرز، جوان۔ کوئی شکل سے انگریز تو کوئی ایرانی، کوئی افغانی، کوئی پاکستانی، کوئی ہندوستانی لگتا تھا۔

New Era Magazine

پھر اس نے دیکھا سامنے بلکل اپنی سیدھ میں کمرے کا دروازہ کھلتا ہے۔اور سامنے دو لڑکے کھڑے تھے۔عالیان غور سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ایک کی اسکی طرف کمر تھی جبکہ دوسرے کا منہ۔دونوں آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔جس لڑکے کی عالیان کی طرف کمر تھی،وہ زرا زرا اچھلتا تھا۔اور پھر۔۔پھر ایک دم وہ اچھلتا ہوا،جیسے اڑتا ہوا منہ کے بل عالیان کی طرف آ گرا۔عالیان ڈر کر تیزی سے پیچھے ہوا مگر کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔جس لڑکے کی عالیان کی طرف شکل تھی وہ اس لمحے جیسے درد سے کراہتا ہوا لڑھک کر نیچے گرا۔پھر اسی کمرے سے کچھ لوگ ہنستے تالیاں بجاتے نکلے۔

"متقن! متقن!"(زبردست! زبردست!)

عالیان ٹھٹک کر رہ گیا۔اس نے دیکھا سامنے والا لڑکا اب بھی زمین پر گرا تھا اور کچھ لوگ اسکا ہاتھ مل رہے تھے،جیسے اسکی مرحم کر رہے ہوں۔وہ قدم قدم چلتا اس کمرے تک آیا،کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔اندر کا منظر دیکھ کر تو جیسے وہ حیرانی کے سمندر میں ڈوب گیا۔

اندر کوئی کمرہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک ہال کی طرح تھا۔اور اندر بہت سے لوگ تھے۔ گروہ در گروہ۔

اس نے دیکھا ایک اور لڑکا چھت کے قریب ہوا میں کھڑا ہے۔اور ایک لڑکا اسکے نیچے کھڑا بے حد انہماک سے اسے دیکھ رہا ہے۔

پھر اس سے تھوڑا ہی دور ایک لڑکا کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا، اسکے ہاتھ اپنے ہتھ پر دھرے تھے۔اور باقی سارے لوگ اسکے ارد گرد کھڑے مسکرا رہے تھے اور وہ کچھ بول رہا تھا۔

پھر کچھ دور ایک اور گروہ تھا، جس کے بیچ ایک لڑکی کھڑی تھی۔لڑکی کے سامنے ایک الماری سی کھڑی پڑی تھی۔پھر لڑکی نے ہاتھ بڑھایا اور الماری کو پکڑا۔الماری اتنی بڑی بھاری بھر کم سی اور اتنی چھوٹی سی لڑکی! دیکھتے ہی دیکھتے اس چھوٹی لڑکی نے الماری کو بنا زور لگائے ہلا دیا اور ہلا کر اسے ایک طرف کر دیا۔سب مسکراتے ہوئے تالیاں بجاتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔

اس نے نظریں دوسری طرف گھمائیں، وہاں زیادہ لوگ جمع نہیں تھے۔دو تین ہی لوگ تھے اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں لمبی لمبی تلواریں تھیں، جن سے وہ ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔یا شاید لڑنے کی تیاری یا پریکٹس کر رہے تھے۔

اس نے اب نظر نہیں گھمائی۔بلکہ اب ایک خنجر تیزی سے اڑتا ہوا آیا اور اس کے دونوں پیروں کے درمیان گیپ میں آ کھڑا ہوا۔وہ اپنی جگہ پر ہی جامد ہو گیا۔گڑبڑایا

مگر ہل نہ سکا۔ پھر وہی خنجر واپس اڑ کر پھینکنے والی عورت کے ہاتھ میں جا پہنچا۔ اسکے ارد گرد لوگ اسے بے حد انہماک سے دیکھ رہے تھے، شاید وہ سیکھ رہے تھے۔

اب اس سے اور وہاں ٹھہرا نہ گیا، نہ ہی وہ اب اپنی نظر آگے لجا سکا۔ اسے گو وحشت سی ہونے لگی وہاں۔ اسے پہلے تو یہی لگا تھا کہ وہ کسی خواب میں ہے مگر اب یہ یقین آنے کے بعد بھی کہ وہ اپنے پورے حوش و حواس میں ہے، وہ اپنی آنکھوں پر بھروسہ نہیں کر پا رہا تھا۔ یہ سب اس نے یا فلموں میں، یا کامک بکس میں دیکھا تھا اور اپنی ان آنکھوں سے دیکھنا اسکے دماغ کو قطعاً قبول نہ تھا۔ کیا وہ کسی اور دنیا میں تھا، اس سے اندازہ نہ لگا جا سکا؟ تیزی سے وہ مڑا اور کمرے سے باہر نکلا۔ باہر نکلتے ہی اس نے دیکھا دروازہ کھلا ہے اور اب اندر کچھ لوگ داخل ہو رہے ہیں جن میں سب سے آگے وہ آدمی ہے جسے وہ یقیناً پہچانتا ہے۔ سب سے آگے عبدالراق حیدر عثمانی تھا۔ اور اسکے پیچھے مختلف لوگ تھے گھس رہے تھے۔

کچھ اندر سے باہر نکل رہے تھے۔ اس نے دل میں سوچنا چاہا کہ باہر کیا ہوگا؟ کوئی محل وغیرہ؟ جیسے ہیری پوٹر میں ہوتا تھا۔ یا پھر مارول کا ولن تھینوس کھڑا ہوگا؟ یہ بھی نہیں سمجھ آیا۔

عبدالرزاق نے گزرتے وقت ایک نظر اس پر ڈالی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔وہ پختہ عمر کا ہینڈ سم کم، مغرورا ٹھی ناک والا آدمی تھا۔طاقت کا غرور۔اس کا حلیہ ایسا تھا گو کوئی جاسوس ہو یا کسی فیری ٹیل میں کسی پرنسس کا سیویر۔جس کے آنے کے بعد پرنسس اپنے پرنس کو بھی چھوڑ دے کیونکہ پرنسس کی چاہت صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اسے مشکلات میں بچا سکے۔اس کا ساتھ دے سکے۔اسکا لانگ براؤن کوٹ کسی ڈیٹیکٹو کی یاد دلاتا تھا۔جیسے ٹام اینڈ جیری کی ایک کارٹون مووی میں تھا، جس کا نام اس وقت عالیان کو یاد نہیں آرہا تھا۔

وہ اب اوپر جاتے زینوں سے قدم قدم اوپر چل رہا تھا۔ہاتھ میں سٹک پکڑ رکھی تھی مگر یقیناً وہ سٹک ٹھیک سے چلنے یا زور بانٹنے کے لئے نہیں تھی۔بلکہ راہ میں آئے ہر کنکر کو ہٹانے کے لئے تھی۔

عالیان نے سیڑھیوں کے اوپر دیکھا۔اوپر ایک بوڑھی عورت کھڑی مسکراتی ہوئی اسکا انتظار کر رہی تھی۔عمر کے لحاظ سے کافی ضعیف مگر چال چلن سے وہ کوئی ملکہ لگتی تھی جو صرف حکومت کرنا جانتی تھی۔جو اپنے رتبے پر پوری طرح قابض تھی۔جو اپنا رتبہ بڑھا سکتی تھی، گنوا نہیں سکتی تھی۔جو کہ سب کرتی اور کروا سکتی تھی۔ایک 'سلطان ساز' کی طرح۔نورابنتِ عزیزہ!

New Era Magazine

☆☆☆

"ممی میں بتا رہی ہوں، یہ لوگ ہمیں کچھ بھی نہیں دینے والے اب! سکندر تایا نے تو آپکو آلریڈی صاف انکار کر دیا ہے اور۔۔" چہرے پر زرا سا غصّہ در آیا۔ "اور آپنے جو جنید کو اس نور کے پاس بھیجا تھا، وہ فارمولا بھی ناکام ہو گیا۔ اب میں تو بتا رہی ہوں، مزید کوشش کرنا بے کار ہے۔"

ثناء اور حلیمہ کمرے میں بیٹھے کھسر پھسر کر رہے تھے۔

"اگر ہمیں باہر سیٹل ہونا ہے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا نا! اگر تمہارا باپ یوں ہمیں چھوڑ کر دوسری بیوی کے پاس نہ جاتا تو آج ہمارے یہ حالات ہر گز نہ ہوتے۔"

ثناء نے اکتانے والے انداز میں ماں کو دیکھا۔

"ممی پلیز اب آپ اپنے دکھڑے لے کر مت بیٹھ جایئے گا۔ مجھے نہیں پتا بس مجھے باہر سے ہی اپنا ایم-ایس کرنا ہے اور باہر ہی سیٹل ہونا ہے۔ بس اتنا بتا دوں کہ یہاں سے کچھ نہیں ملنے والا۔" وہ افسوس سے بتا رہی تھی۔

"پھر بھی میں ایک آخری کوشش تو کروں گی ہی۔ میں ممی سے نور کا رشتہ مانگ کر دیکھتی ہوں۔ کیا پتا ہاں ہو جائے۔"

"اوہ گاڈ! ممی پلیز، میں تو ابھی سے یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ آخر میں اسے برداشت کیسے کروں گی؟"

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ جس بھائی سے میں ہمیشہ شدید نفرت کرتی تھی اسی کی بیٹی کو گھر کیسے لے جاؤں گی۔ خیر! پیسا ملنے کے بعد اسے طلاق دلوا دیں گے جنید سے اور۔۔"

تبھی دروازہ بجا۔ ثناء اور حلیمہ ایک دوسرے کو دیکھے۔

"کون؟"

"میں ہوں عمران! دادی جان چائے پر بلا رہی ہیں۔" باہر سے خانساماں کی آواز آئی۔

"اف ایک تو ممی کو بھی سکون نہیں ہے۔ہاں اچھا، آ رہے ہیں!" حلیمہ نے بروقت ثناء اور خاناماں کو جواب دیا۔

لاؤنج میں سب بیٹھے تھے، نور، عثمان، جنید اور سکندر کے علاوہ۔ حلیمہ اور ثناء بھی مسکراتے ہوئے زرینہ اور دادی جان کی باتیں سن رہے تھے۔ ثناء حبیب کے ساتھ ہی بیٹھی تھی اور نور کی غیر موجودگی سے کافی خوش تھی۔

"ممی! میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔" حلیمہ نے زرا احتیاط سے بات کا آغاز کیا۔

"ہاں کہو!"

"ممی! وہ دراصل اب مریم کی بھی شادی ہو رہی ہے۔اللہ ہمیشہ خوش رکھے ہماری بیٹی کو۔وہ میں سوچ رہی تھی، کیوں نا اب آپ نور کا بھی سوچیں؟" دادی جان کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ حبیب بہت غور سے سن رہا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟ کھل کر کہو!"

"وہ میں نے نوٹ کیا ہے کہ میرا بیٹا جنید، آپکی بیٹی نور میں آجکل کچھ زیدہ ہی انٹرسٹ لے رہا ہے۔(حبیب کا رنگ زرا بدلا۔)اور نور بھی اب زرا زرا اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نا ہم مریم کی شادی کے ساتھ ساتھ نور کی بھی بات۔۔" بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔سب سمجھ گئے تھے اب۔

"کیا واقعی نور اسے؟اوو میں ایسے ہی بیچ میں آ گیا تھا یہ سوچ کر کہ شاید وہ نور کو تنگ کر رہا ہے۔اور میں نے تو نور کا جواب بھی نہیں سنا تھا۔اوہ گاڈ! آئی ایم سچ این اڈیٹ!" حبیب نے دل ہی دل میں سوچا۔

"مگر نور ابھی پڑھ رہی ہے۔" دادی جان کے جواب پر حبیب اپنی سوچ سے نکلا۔

"ارے ممی !پڑھ کیا رہی ہے۔بس اسکا آخری سمسٹر ہے اب اور جنید بھی تو ماشاءاللہ اب اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا ہے۔دو تین مہینوں میں نور کی یونی بھی کمپلیٹ ہو جائگی۔اور کونسا ہم کل شادی کرین گے۔صرف بات پکی۔۔"

"ہاں ٹھیک ہے مگر یہ فیصلہ نور کا ہو گا۔"

"ممی !آپ کیا کہتی ہیں ؟"حلیمہ جیسے کوئی جال بن رہی تھی۔

"نہیں،مجھے تو کچھ مسلہ نہیں ہے اس بات سے بلکہ میں تو خوش ہی ہو نگی۔"دادی جان خوشی سے مسکرائیں۔

"اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہو جائگا۔نور کو ایک دفعہ بلا کر پوچھ ہی لیتے۔۔"اس بار زرینہ نے مسکراتے ہوئے مداخلت کی۔

"ارے پوچھنے کی کیا بات ؟دادی جان کو پسند ہے تو۔۔"حلیمہ کو اپنے جال پر جھاڑو پھرتا محسوس ہوا۔

"نہیں پھر بھی ایک دفعہ اس کی رائے ضروری ہے۔جاؤ حبیب نور کو بلاؤ!"دادی جان نے حبیب کو دیکھا۔

حبیب زرا خفا سا اٹھا۔ناجانے کیوں وہ عجیب سا محسوس کر رہا تھا،جیسے یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہے۔اس سب میں شاید کچھ غلط ہے۔مگر وہ اٹھ کر اب اوپر کو جانے لگا۔

اسے سمجھ نہیں آیا، آخر وہ کیوں نور کے لئے اتنا سوچ رہا تھا؟ اسکا آخر اس سب میں کیا کام؟

☆☆☆

"عبدالرزاق اوپر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ جاؤ!"

اسکو واپنے خیالات سے کسی آواز نے باہر کھینچ نکالا۔ اسنے نا سمجھی سے کہنے والے شخص کو دیکھا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ یہ تو وہی شخص تھا جو عبدالرزاق کے ساتھ پاکستان میں بھی تھا۔

وہ "ہوں!" کہہ کر اب آگے بڑھنے لگا۔ قدم قدم زینے چڑھ کر وہ اوپر چڑھا تو بلکل سامنے ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا اور دروازہ کھولا۔ اندر کمرے میں عبدالرزاق اور وہ بوڑھی عورت تھی۔ وہ اب کمرے میں اندر گھس رہا تھا۔ وہ کمرہ ایسے جیسے کوئی آفس سا تھا۔ چاروں طرف الماریاں اور ان میں قدیم ضعیف مگر لکڑ کی جلد والی کتب بھری پڑی تھیں۔ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے شیسے اور ان کے نیچے خوبصورت صوفہ سیٹس پڑے تھے۔ اوپر ایک نہایت خوبصورت فانوس روشن تھا۔ بیچ میں میز سی پڑی تھی۔

نورا سامنے صوفے پر بیٹھی تھی، جبکہ عبدالرزاق الماری کے آگے کھڑا کوئی کتاب ڈھونڈ رہا تھا۔ نورا اسے دیکھ کر بے اختیار مسکرائی۔

"آؤ، آؤ بچے! تمہارا ہی انتظار کیا جا رہا تھا۔" عبدالرّزاق مڑے بغیر بولا۔ "دروازہ بند کردو!"

عالیان ڈرتے ڈرتے اندر گھسا اور پھر آرام سے مڑ کر دروازہ بند کیا۔ جب واپس مڑا تو عبدالرزاق اور نورا دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"میں نورا ابنتِ عزیزہ ہوں۔ اور یہ عبدالرزاق حیدر عثمانی ہیں۔ تم ہم دونوں کو من چاہے ناموں سے پکار سکتے ہو، ہاں اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میں یہی کہوں گی کہ مجھے 'جدّۃ' (دادی) کہہ کر پکارا جائے۔ اور ہم سے ڈرنے یا شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں نئے ہو اور یقیناً سب دیکھ چکے ہو۔۔"

"میں کہاں ہوں؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ نورا نے گہری سانس لی۔

"تم اس وقت دولۃ القطر کے شہر دوحہ میں ہو۔" عالیان کے تو حوش ہی اڑ گئے۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے۔ یہاں۔ یہاں سب عجیب قسم کے لوگ ہیں۔ جادوئی یا پتا نہیں کیسے۔۔"

"کیا تمہے کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"تم نے مجھے کہا تھا کہ یہاں سب میری طرح کے لوگ ہیں۔ مگر یہاں تو کوئی بھی میری طرح نہیں ہے۔ سب عجیب لوگ ہیں۔ کوئی ہوا میں اڑ رہا ہے، تو کوئی تلواروں سے لڑ رہا ہے، کوئی بھاری بھر کم چیزوں کو آسانی۔۔"

"وہ سب انکی طاقتیں ہیں۔" اب وہ قدم قدم چلتا آگے آ رہا تھا۔ "اور یہاں (اسکے ماتھے پر انگلی رکھی) تمہاری طاقت ہے۔" عالیان نے اسے زور سے پیچھے دھکیلا۔ نورا اب خاموشی سے دور بیٹھی یہ منظر انجوائے کر رہی تھی۔

کروارہے ہو۔ "Visualize" جھوٹ بولتے ہو تم۔ جھوٹ! میں کسی قطر اور دوحہ میں نہیں ہوں۔ تم۔۔ تم مجھے یہ سب وژولائز

وہ چلایا تھا۔ عبدالرزاق پر زرا فرق نہ پڑھا۔

"تم نے یقیناً مجھے ہپنوٹائز کر رکھا ہے۔"

"سنو لڑکے! نہ ہی میں نے تمہے ہپنوٹائز کر رکھا ہے، نہ ہی میں تمہے یہاں اپنی مرضی سے لایا ہوں۔ بولو! کیا تم نے خود آنے کی ہامی نہیں بھری تھی یہاں؟" عالیان لا جواب ہو گیا۔ وہ واقعی ہی اپنی مرضی سے آیا تھا۔

New Era Magazine

"اور تم کچھ بھی وژولائز نہیں کر رہے۔یہ سب سچ ہے۔ حقیقت ہے۔اس دنیا میں نمک کے زرے جتنی آبادی ہم مافوق الفطرت لوگوں کی ہے۔ہمارے پاس طاقت ہے۔"

"یہ کمزوری ہے میری۔"

"سنو! ہم لوگوں کو جب طاقت دی جاتی ہے،تو ساتھ ہی یہ دیکھ کر کہ کیا وہ اسکے مستحق ہیں؟ اگر تمھے طاقت ملی ہے تو تمھے ناشکری نہیں کرنی چاہیے بلکہ فخر کرنا چاہیے کہ تم ہے اس قابل سمجھا گیا ہے۔"

"یہاں سب ایسے مافوق الفطرت لوگ کیوں جمع ہیں؟"اسی سوال کا انتظار تھا عبدالرزاق کو۔

☆☆☆

۔

اس دنیا میں مختلف جادوئی دروازے ہیں۔ان سب دروازوں نے اپنے پیچھے مختلف طاقتوں کو چھپائے رکھا ہے۔اور اس دنیا کو ان طاقتوں سے محفوظ کر رکھا ہے۔ہر دروازہ ایک دوسرے سے جدا،کسی دوسری جگہ پر،کس دوسری طاقت کو چھپائے کہیں چھپا پڑا ہے۔قدرتی طور پر اکثر وہ دروازے کھل پڑتے ہیں اور ان دروازوں میں

New Era Magazine

چھپی طاقتیں باہر کو آجاتی ہیں اور اس دنیا کے عجیب ترین نظام میں گھس کر اس دنیا کو متاثر کرتی ہیں۔

سن 1815ء چل رہا تھا۔ آج کے انڈونیشیا اور پہلے کے مشرقی انڈیز (ایسٹ انڈیز) کے ایک جزیرے 'سُمبوا' کے اندر ایک آتش فشاں پہاڑ تھا جس کو 'تمبورا کی پہاڑی' کہا جاتا تھا۔ اپریل کے ماہ میں آتش فشاں کے پھٹنے کے باعث اسی جزیرے پر موجود ایک چھپا دروازہ قدرتی طور کر کھل گیا تھا۔ زمین اتنے زور سے ہلی تھی کہ دروازہ ٹوٹ گیا تھا۔ دروازے کے اندر چھپی تمام طاقتیں باہر کو پھوٹ آئی تھیں، بلکل اسی لاوے کی طرح جو پہاڑی سے نکل آرہا تھا۔ طاقتیں شعاوؤں کی صورت دنیا بھر میں پھیل گئیں۔ چونکہ وقت آدھی رات کا تھا تو کم ہی لوگ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ جو جو اس رات گھروں کے باہر تھا، ان سب میں ان شعاوؤں کا کچھ نہ کچھ حصّہ جذب ہو گیا۔ جن جن میں وہ حصّہ تھوڑا تھا، وہ وقت کے ساتھ ختم ہو گیا مگر جس جس میں ان شعاوؤں کا زیادہ حصّہ پڑا، ان کی نسل میں سے کسی نہ کسی میں کوئی نہ کوئی طاقت پائی جاتی ہے۔

صدیوں سے 'زافری' خاندان کا دنیا بھر کے جادو پر اختیار ہے۔ دنیا بھر میں کہاں کیا جادو کیا جا رہا ہے، سب اس خاندان کی نظر میں ہے۔ اس خاندان کو قدرت کی طرف

سے یہ طاقت یا ذمہ داری بخشی گئی ہے کہ ان کی نظروں میں ہر جادو کی جھلک اور ان کے دماغ میں اس جادو کی اچھائی یا برائی قدرتی طور پر ڈال دی گئی تھی۔ان کے پاس ہر جادو کا توڑ موجود ہے۔ حتیٰ کہ وہ آنے والی بلائیں اور جادو کچھ حد تک دیکھ بھی سکتے ہیں۔بس ایک چیز ان کے پاس موجود نہیں ہے اور وہ بیتا پل یا آنے والا پل بدلنا ہے۔ اور جو چیز انسان کے پاس نہیں ہوتی، وہی سب سے قیمتی ہوتی ہے۔اور آنے والے پل لکھ دیئے گئے تھے، اور وہ بدل نہیں سکتے تھے۔

2019ء کے زافری خاندان کے موجودہ بڑے جادو گر 'عبدالعزیز لطفی زافر' کے پردادا 'عبدالسلام لطفی زافر' 1815ء میں بڑے جادو گر تھے، اور اس زمانے میں جادو پر انہی کی نظر تھی۔ کہاں کیا ہو رہا ہے، وہ سب جانتے تھے۔اپریل کے مہینے میں 'تمبورا کی پہاڑی' سے پھوٹنے والے لاوا کے باعث طاقتوں کا دروازہ کھل گیا تھا۔ انہوں نے کئی سال تک دروازہ بند کرنے کی اور اسے اٹکائے رکھنے کی پوری کوشش کی مگر زمین کے اتنے تیزی سے ہلنے کے باعث دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔اور ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اس دروازے کو مزید تھامے رکھیں۔ سو شعائیں باہر آ ہی گئیں۔انہوں نے شعاؤں کے اثر کو بھی روکنے کی پوری کوشش کی مگر یہ بھی ان کی طاقت سے باہر تھا۔

انہوں نے ہار مان کر طاقتوں پھیلنے تو دیا مگر ساتھ ہی طاقتوں کے باعث آنے والے حالات پر نظر ڈالنے بیٹھ گئے۔اور انہیں آنے والے اگلی صدیوں کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو کہ وہ اپنی نسلوں کو بتائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔اسی سب پر نظر رکھتے ہوئے انہوں نے ایک کتاب لکھی۔اور اس کتاب میں وہ تمام باتیں لکھ دیں جو آنے والی ہیں۔ مگر ساتھ ہی انہوں نے اس کتاب پر ایسا جادہ کیا کہ وہ کتاب کسی کی ملکیت نہ بن سکے اور ہر اس شخص کے پاس جائے، جس کے لئے یہ کتاب اُس وقت سب سے زیادہ ضروری ہے۔

کتاب کا شروع کا کچھ حصّہ بعد میں ان کے پر پوتے 'عبدالعزیز لطفی زافر' نے بھی لکھا، جب وہ کتاب ان کے پاس آئی تھی۔اس حصّے میں انہوں نے کتاب کو نام دیا اور اس میں خاص لوگوں کے ٹھکانے اور ان کے اوپر چند سطر لکھے۔

اس کتاب نے اگلی نسلوں کے لئے جیسے، ان کی آنی (فیوچر) کا کام کیا۔ مگر وہ کتاب صرف خاص خاص لوگوں کے پاس ہی جاتی ہے جنہیں اس کی ضرورت ہو۔اور اسی کتاب کے باعث سب 'خاص لوگوں' کے پاس ان کی اپنی آنی کی معلومات ہے۔

سب 'خاص لوگ' یہ بات ہمیشہ سے جانتے ہیں کہ : دنیا کی تاریخ میں تین عام اور خاص کی جنگیں ہونی ہیں۔ جن میں خاص لوگ دو جنگیں ہار جائیں گے اور ایک جنگ میں وہ

فتح یاب ہونگے۔تینوں جنگوں کے درمیان دو،دو صدیوں کا فاصلہ ہوگا۔تینوں جنگیں چونکہ مختلف اوقات اور جگہوں پر واقع ہونگی تو ان میں جنگ بھی مختلف وجوہات پر ہوگی۔اور تینوں جنگوں کے سردار بھی مختلف ہی ہونگے۔

اور یہ سب تاریخ ایک کتاب میں لکھ دی گئی ہے۔جواب بھی اسی دنیا میں موجود ہے۔اور اس کتاب کا کوئی مالک نہیں ہے،نہ ہی کوئی اسے اپنے پاس سنبھال سکتا ہے۔وہ کتاب خود ہی اس شخص کے پاس چلی جاتی ہے،جس کو اس کی اُس خاص وقت میں ضرورت ہوتی ہے۔کتاب اگرچہ پرانی اور ضعیف ہے،اور اس کتاب نے ہر دھوپ،ہر چھاؤں گزار رکھی ہے،مگر وہ کتاب زندہ رہے گی۔تب تک،جب تک کہ وہ تینوں جنگیں نہ ہو جائیں۔

کتاب میں موجود بہت سے واقعات سچے ثابت ہوئے ہیں،جس کے باعث خاص لوگوں کا اس کتاب پر پورا ایمان ہے کہ یہ سچی ہے۔کتاب میں یہ بھی درج ہے کہ تینوں جنگوں کے نتائج ایک دوسرے سے مختلف آئیں گے۔

ایک جنگ ایسی ہوگی جو ادھوری رہ جائیگی،اور عام لوگوں کو ہی فاتح قرار دیا جائیگا۔جبکہ ایک جنگ ایسی ہوگی جس میں خاص لوگ ڈر جائیں گے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔آخری جنگ میں اس کتاب نے خود ہی ختم ہو جانا ہے۔وہ جنگ دراصل

عام اور خاص کی نہیں بلکہ انت کی جنگ ہو گی۔انت الکتاب۔کوئی نہیں جانتا کہ ان تینوں میں سے کونسی جنگ جیتی جائگی اور کونسی ہاری؟اور اس کتاب کی اپنی تاریخ کے مطابق یہ کتاب سن 1818ء میں مکمل کی گئی ہے۔یعنی اس کتاب کے مطابق پہلی جنگ 2019ء میں ہونی ہے۔

اور اس کتاب کا نام ہے

"بودریا: الشیطانُ البحر"۔

"Bu Darya: The Devil of the Sea"

☆☆☆

"ہم سب خاص لوگ یہاں جمع ہیں۔ایک خاص مقصد کے لئے۔ہم خاص اور عام لوگوں میں تین جنگیں ہونی ہیں،(عالیان کے ماتھے پر تحیر کے عالم میں شکنیں ابھریں) جس کے مطابق پہلی جنگ بے حد قریب ہے،اور یقیناً اسی سال ہے۔ہم لوگ،ہم سب،ہم طاقتوں والے خاص لوگ،جنہیں اُن عام لوگوں نے ہمیشہ تڑپایا،ہمارا دل دکھایا،ہمیں بے وجہ نقصان پہنچایا۔لڑیں گے۔ہم سب لڑیں گے اپنے لئے،کیونکہ یہی ہماری آنی ہے۔یہی ہمارے لئے لکھا گیا ہے۔"عبدالرزاق کہہ رہا تھا اور وہ بنا پلک جھپکے سنے جا رہا تھا۔

"تقدیر سے کوئی لڑ نہیں سکتا۔ جو آنی ہوتی ہے، وہ آجاتی ہے۔ سب کی آنی اپنا راستہ خود بناتی ہے کیونکہ یہی اصول ہے آنی کا۔ وجوہات بنتی جاتی ہیں، راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جو ہونا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ ہم، ہم سب طاقت والوں کو یہ زمہ داری بخشی گئی ہے کہ ہم نے لڑنا ہے۔ اپنے لئے، اپنی سانسوں کے لئے۔" وہ سن سا، جامد سا لڑکا، کھڑا سن رہا تھا۔

"تین میں سے ایک جنگ ایسی ہے جو ہم جیت جائیں گے۔ پھر ایک ایسی ہے جو ادھوری رہ جائے گی اور ایک ایسی ہے جس میں ہم ہار مان لیں گے۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ ہم کونسی جنگ ہاریں گے، کون سی جیتیں گے اور کونسی ادھوری ہی رہ جائے گی۔ ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ ہم نے یہ جنگ جیتنی ہے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم پہلی جنگ کے پرزے ہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ نورا بھی خاموش ہی رہی۔

"مجھے طاقت کیسے ملے گی؟" عالیان کہہ اٹھا۔ یعنی وہ ان کے ساتھ تھا۔ عبدالرزاق مسکرا اٹھا۔

New Era Magazine

"تمہیں طاقت پانے کی ضرورت نہیں ہے۔طاقت تمہارے اندر ہے۔یہاں(اس کے ماتھے پرانگلی رکھی)۔بس تمہیں اس پر قابض ہونا ہےاور پھر تم اپنے قدموں تلے روند دوگے ان سب تکلیف دہ احساسات کو۔"

"میں اپنی طاقت پر کیسے قابض آؤں گا؟"

عبدالرزاق پھر سے مسکرایا۔اس بار نورا تھی جو اٹھی اور مسکرائی۔زرا سا چہرا اونچا کیا اور کمرے کی تمام بتیاں دھیمی پڑ گئیں۔جیسے وہ تمام بتیاں ارروشنیاں تو اس کی آنکھوں کی غلام تھیں۔عالیان پتھر کا بت بن گیا۔اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"یہ دیکھو!"عبدالرزاق بولا تو وہ ایک دفعہ پھر حیرانی کے پہاڑ تلے دب گیا۔

عبدالرزاق نے ہلکی سی چٹکی بجائی اور مٹھی بند کی،جیسے کوئی جادو سا کر رہا ہو۔پھر آرام سے مٹھی کھولی تو اس کے ہاتھ پر ایک گہرے رنگ کی مکڑی سی چل رہی تھی۔پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ موڑا اور مٹھی بند کی۔

پھر فوراً واپس موڑ کر کھولا تو مکڑی کافی بڑی ہو گئی تھی۔

پھر اپنا دوسرا ہاتھ اِس ہاتھ کے وپر لہرایا اور ہٹایا تو وکڑی گو چیونٹی جتنی بن گئی تھی۔

پھر تیزی سے ہاتھ اوپر کو کیا گو ایک جھٹکے سے،اور اس کے ہاتھ سے ایک سفید سا کبوتر نکلا جو کمرے کا چکر لگاتا ہوا واپس عبدالرزاق کی مٹھی تک آیا اور غائب ہو گیا۔

بتیاں ایک دم واپس روشن ہو گئیں اور عالیان اپنے خیالوں سے جاگا تھا۔اس نے نورا اور عبدالرزاق کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"حیران مت ہو۔میرے پاس ایک اور بھی طاقت ہے۔میں لوگوں کی نظروں میں ان کا ڈر ڈال سکتا ہوں۔میں ان کو وہ دکھا سکتا ہوں،جن سے انہیں سب سے زیادہ ڈر لگتا ہے۔"

عالیان حیرانی سے عبدالرزاق کو دیکھا۔عالیان کی آنکھیں عبدالرزاق کی آنکھوں سے ملیں۔۔

اور پھر عالیان کی آنکھوں میں ایک منظر سالہرایا۔۔

☆☆☆

اونچے درختوں والے گھر پر شام اتر رہی تھی۔سورج نیلیائی کے سمندر میں ڈوب رہا تھا اور ساری نیلیائی آسمان پر ابھرا ابھر رہی تھی۔اسلام آباد بے حد خوبصورت نظر آرہا تھا۔تمام آسمانی مخلوق اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہی تھی۔اونچائی سے دیکھو تو منظر بے انتہا دلکش تھا۔

تبھی حبیب سکندر ہانپتا ہوا سیڑھیوں سے اوپر چھت کی جانب جا رہا تھا۔اس سے پہلے وہ نور کا دروازہ کافی بار کھٹکھٹا چکا تھا،مگر وہ اپنے کمرے،باغیچے،لاؤنج اور کہیں اور نہیں

تھی۔مریم نے حبیب کو چھت پر دیکھنے کا مشورہ دیا تھاتواب وہ ہانپتاہواسیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔چھت کادروازہ کھلاپڑاتھا،اس نے آخر شکر کیا۔

اندر گھس کر اسنے دیکھا،نور چھت کے دوسرے سرے پر باہر کی طرف پاؤں پھیلائے بیٹھی ہے۔نور کے بھورے بال کمر پر پھیلے تھے،اور کافی لمبے بھی ہوچکے تھے۔بال کٹائے ہوئے اب اسے ڈیڑھ دو مہینے ہونے کو تھے۔

"اوہ گاڈ!تم ادھر بیٹھی ہو؟"نور مڑی اور اسے دیکھ کر ہلکاسا مسکرائی۔"اور میں تمہے سارے گھر میں ڈھونڈ چکاہوں۔"

موٹے موٹے سانس لیتاوہ بولا۔

"مجھے کیوں ڈھونڈرہے تھے؟"مڑے بغیر بولی۔

وہ تمہے دادی جان بلارہی ہیں۔"پھر اسکے پیچھے آرکا۔وہ ویسی ہی بیٹھی رہی۔"اب اٹھو چلو بھی!"

نور نے اپنے ساتھ پڑاموبائل اٹھایااور اسے دیکھا۔

"آؤبیٹھ جاؤ!"حبیب بناتعمل بیٹھ گیا۔آخر دو منٹ سانس لینے میں حرج ہی کیا تھا؟

کافی دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے اور ڈوبتاسورج دیکھتے رہے،دور نظر آتی پہاڑیاں دیکھتے رہے،پرندوں کواپنے گھونسلوں میں لوٹتے دیکھتے رہے،درختوں کی ہلتی شاخوں

کونا محسوس انداز میں جامد ہوتا دیکھتے رہے، آسمان کی پیلاہٹ کو نیلاہٹ میں بدلتا دیکھتے رہے اور سکون محسوس کرتے رہے۔

"خوبصورت ہے نا؟" نور آنکھوں میں چمک بھر کر بولی۔

"بہت!" حبیب منظر کی خوبصورتی دل میں بھرتا ہوا بولا۔

"تم کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ معصومیت سے پوچھی۔

"اللہ تعالیٰ کی قدرت؟" نور کا ذرا سا منہ بنا۔ لو بھلا وہ تو اس کے منہ سے اس منظر کی ڈیٹیلز سننے کا سوچ رہی تھی اور یہ کیا۔

"اور میں یہ منظر۔ یہ آسمان، یہ پرندے، یہ درخت، یہ پہاڑ!"

"تو کیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت نہیں ہے؟" وہ ذرا حیرانی سے اسے دیکھا۔

"ہاں، میرا وہی۔۔" بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ "حبیب، تم ہر وقت ایسی باتیں کیوں کرتے رہتے ہو؟"

"کیسی؟"

"یہ مذہبی ٹائپ۔" وہ ذرا اسے حیرانی یا جانے کون سی چیز آنکھوں میں سجا کر دیکھا۔ "آئی مین، یہ کچھ اللہ والی۔ جب بھی میں تم سے کوئی مسئلہ شئیر کرتی ہوں، کوئی بات کرتی ہوں، تم ایسی ہی باتیں شروع کر دیتے ہو۔"

اس نے منہ موڑ لیا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"نور، جب ہم لوگ امریکہ گئے تھے نا، تو پاپا نے میرے اور عثمان کے لئے قرآنِک ٹیوشن لگائی تھی۔ وہاں مسلم کمیونٹی میں کچھ لوگ ہوتے ہیں، جو قرآنک ٹیوشن دیتے ہیں۔ عثمان زہین ہوا کرتا تھا، جلدی سے پڑھ لیتا تھا اور گھر چلا جاتا تھا۔ جبکہ میں ہمیشہ دیر تک سر کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ میں ان سے ہر وقت سوال کرتا تھا اور وہ بھی مجھے ایسے ہی جواب دیا کرتے تھے 'مذہبی اور اللہ ٹائپ 'یو نو!" نور کو لگا وہ اس پر طنز کر رہا ہے۔ مگر ابھی اسکی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔

"ایک دن میں نے بھی ان سے پوچھا کہ آپ ہر بات اور ہر سوال میں اللہ کو کیوں لے آتے ہیں؟ (خود ہی زرا سا ہنسا جیسے وہ منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو) تو کہنے لگے کہ یہ مذہبی اور اللہ والی باتیں کیا ہوتی ہیں؟ میں تھوڑا گڑ بڑا گیا مگر کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا بولوں۔ بس اتنا ہی کہہ سکا کہ یہ جو اسلامک ٹائپ باتیں۔ وہ مسکرائی اور کچھ دیر بعد بولے کہ تم جوتے پاؤں میں کیوں پہنتے ہو، ہاتھوں میں کیوں نہں پہنتے؟ میں حیران ہوا اور بولا کیوں کہ جوتے تو پاؤں میں پہننے کے لئے بنے ہیں۔ وہ بولے نہیں تم ہاتھوں میں پہن کر گھر جاؤ۔ (زرا سا ہنسا۔ نور بہت غور سے اسکی بات سن رہی تھی۔) میں نے کہا نہیں مجھے پتا ہے کہ جوتے پاؤں میں پہنتے ہیں۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے۔ بلکل! ہر

انسان کے سامنے دوراستے رکھ دیے جاتے ہیں چناؤ کے لئے۔ صحیح اور غلط۔ مگر جب انسان کو صحیح راستہ معلوم ہو جائے تو اسے غلط راستے کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے۔"نور نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔آخر جوتوں کا ان 'مذہبی اور اسلامک باتوں' والی بات سے کیا تعلق تھا؟

"وہ کہنے لگے کہ اگر میں چاہوں تو جوتے ہاتھوں میں بھی پہن سکتا ہوں مگر مجھے پتا ہے کہ یہ غلط ہے۔اسی طرح جب مجھے پتا ہے کہ ہمارا دین ہمیں صحیح بات بتا رہا ہے تو میں کیوں اس راستے کو نا چنوں؟میں سمجھ گیا۔"نور کے ماتھے سے بل صاف ہوئے۔وہ واقعی ہی صحیح کہہ رہا تھا۔

"میں تمہے صرف وہی بات بتاتا ہوں،جو مجھے میرا دین سکھاتا ہے۔اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہی صحیح راستہ ہے۔پھر کیوں میں تمہے وہ راستہ دکھوؤں جس کے آگے کھائی ہے؟"بس پھر خاموش ہو گیا اور ڈوبتا سورج دیکھنے لگا۔نور جیسے کسی سوچ میں گم تھی۔

"حبیب!جب تم نہیں ہو گے تو مجھے کون ایسے سمجھائے گا؟"ذہن میں ایک اور سوال گونجا جو نور نے زبان سے نکال دیا۔

"نور! ہمیشہ یادرکھنا کہ جب بھی تمہے کسی بھی رہنمائی کی ضرورت ہو توبس قرآن اٹھالینا۔اور پھر دیکھنا تمہارے ہر سوال کا جواب،ہر مسلے کا حل،ہر تکلیف کی دوااس میں ملے گی۔"وہ مسکراکر اسے دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔اس کا انداز اور لہجہ نرم تھا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"اسے دیکھ کر معصومیت سے پوچھا۔وہ مسکرایا تھا۔

"حبیب سکندر کبھی جھوٹ نہیں بولتا!"نور بس مسکرادی۔وہ جانتی تھی۔

"حبیب تم۔۔جھوٹ کیوں نہیں بولتے؟"حبیب مسکرایا۔

"نور! ہم انسان ایک غلطی کرتے ہیں۔اور وہ غلطی یہی ہے کہ ہم 'ایک غلطی' کرتے ہیں۔اور پھر ہم غلطیاں کرتے ہی جاتے ہیں۔بات یہ نہیں ہے کہ ہم غلطیاں کرتے ہیں۔بات یہ ہے کہ ہم غلطی کرکے اپنے آپ کو دوسری غلطی بھی کرنے دیتے ہیں۔ایک غلطی پر اپنے آپ کو معاف کرنا دوسری غلطی کی اجازت دینا ہوتا ہے۔اگر ہم اس 'پہلی غلطی' سے ہی اپنے آپ کو بچائے رکھیں تو دوسری غلطی کبھی نہیں ہوگی۔"

"تو؟"

"نور! جھوٹ برائیوں کی جڑ ہے۔اگر میں ایک بات پر جھوٹ بول دوں تو اگلی بار خود بخود میرا منہ جھوٹ بولے گا۔میں اپنے آپ کو ہمیشہ پہلی غلطی سے ہی بچاتا ہوں تاکہ آگلے گناہ سے ہی بچ جاؤں۔"

"کیا ہمیں اپنے آپ کو غلطیوں پر معاف نہیں کرنا چاہیے؟"

"نہیں، معاف کردینا چاہیے مگر وہ معافی توبہ کی طرح ہونی چاہیے۔اگلی بار وہی غلطی دہرانے پر وہ معافی بے وقعت ہو جاتی ہے۔اور اسکے بعد اکثر لوگ توبہ نہیں کر پاتے۔سو اپنے آپکو معاف تو کرو مگر وہ معافی توبہ کی طرح ہونی چاہیے۔مضبوط اور دوبارہ نہ دہرانے والی۔اور اپنے آپکو پہلی ہی غلطی سے بچاؤ۔"

پیچھے سے کسی کے چھت کا دروازہ کھول کر اندر گھسنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔دونوں ایک ساتھ مڑے۔

"اور کتنی دیر ایسے ہی بیٹھنے کا ارادہ ہے تم دونوں کا؟" پیچھے سے ثناء کی تلخ سی آواز آئی۔

"اور حبیب تمہے تو دادی جان نے اسے بلانے کے لئے بھیجا تھا نا؟" اب وہ حبیب سے مخاطب تھی۔نور کو اسکے لہجے کی تلخی جانچنے میں لمحہ بھی نہ لگا۔اس دن کے بعد وہ اسکے منہ نہیں لگ رہی تھی۔

وہ جتنی بھی منہ پھٹ اور تیز کیوں نہ ہو، مگر بد تمیز وہ کبھی بھی نہیں تھی۔اور نہ اسے ماحول خراب کرنے میں کوئی دلچسبی تھی۔

"ہاں، ہم آرہے ہیں!" حبیب مسکراکر بولا۔اور ثناء کو اسکی مسکراہٹ زہر لگی۔

"ہونہہ!" کہہ کر واپس چلی گئی۔

"اسے کیا ہوا؟" حبیب حیرانی سے نور سے پوچھ پڑا۔

"اس نے آج بہت مرچیں کھار کھی ہیں۔" حبیب مسکرایا۔اسے نور کی ایسی باتیں اچھی لگتی تھیں۔

پھر نور اٹھی اور حبیب بھی اٹھا۔عجیب بات تھی، آج وہ چھت کے اس کنارے پر بیٹھے تھے مگر حبیب کو اونچائی سے ڈر ہی نہ لگا؟

☆☆☆

"آؤ بیٹا، بیٹھو! ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔دراصل ہم تمہارے رشتے کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔"

نور اور حبیب چھت سے آگے پیچھے نیچے اترے۔حبیب نے اسے رشتے والی بات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔وہ کنفیوزد تھا کہ کیا اسے بتانا بھی چاہیے یا بس نور کو دادی جان کے منہ سے ہی یہ بات سننی چاہیے؟

خیر، نیچے آتے ہی دادی جان اسے دیکھ کر فوراً بولیں۔

حبیب کو لگا سب اسے تھوڑا بہت بے عزت کریں گے اتنی دیر کرنے پر سو وہ نور کے بعد داخل ہوا تا کہ سب کا دھیان نور پر آجائے۔ وہ آ کے واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔

نور تو بس کھڑی کی کھڑی ہی رہ گئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

(ابھی مریم کی شادی بھی نہیں ہوئی اور ان سب کو میرے رشتے کی پڑ گئی ہے؟ اف توبہ!)

"بیٹا بیٹھو نا! ایزی ہو جاؤ۔" حلیمہ اس کے کنفیوزڈ سے تاثرات دیکھ کر فوراً بولیں۔

نور حبیب کو دیکھی۔ وہ اتنی دیر تک اسکے ساتھ بیٹھا تھا مگر اس نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی۔ حبیب نے نظریں چرالین۔ نور کے اعصاب تن گئے۔ زرا تیور دکھاتی ہوئی آ بیٹھی۔ وہ اس موضوع کو بند کرنا چاہتی تھی۔

"جی دادی جان؟" سپاٹ سا لہجہ۔

"بیٹا! ہم سوچ رہے تھے کہ تم سے تمہارے رشتے کی بات کریں۔" مریم اس وقت وہاں نہین تھی۔ نور کو اندازہ ہو گیا کہ یقیناً وہ اس وقت کچن میں ہی ہو گی۔

"کیسی بات؟ کیا میں نے کسی کو اپنے رشتے کی کوئی بات کی تھی؟" مصنوئی حیرانی سے سب کو دیکھنے لگی، حبیب کے علاوہ۔

New Era Magazine

"نہیں بیٹا! مگر ہماری نظر میں تمہارے لئے ایک لڑکا ہے۔"

"کون؟" وہ اب واقعی حیران ہوئی تھی۔

حلیمہ کے ماتھے پر ہلکا ہلکا پسینہ آنے لگا۔ وہ اب اس آخری امید سے بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"جنید اور کون؟ ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ وہ تمہے پسند کرتا ہے اور تم بھی یقیناً۔" نور نے بے یقینی سے دادی جان کی بات کاٹی۔

"ایکسکیوز می دادی جان! مگر آپکو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اسے پسند تو دور کی بات دوسری نظر دیکھتی بھی نہیں ہوں اور آپ میرا اس سے رشتہ طے کرنے کی بات کر رہی ہیں؟" اسے حلیمہ اور ثناء کے سامنے انکے لڑکے کے بارے میں ایسی بات کرتے اچھا تو نہیں لگا تھا مگر اسنے ایک دم سے اپنا ٹیمپر لوس کیا تھا۔

حلیمہ کا تو رنگ ہی فق ہو گیا۔ دل میں کچھ بری طرح ڈوبا تھا۔ حبیب کو نا جانے کیوں دل ہی دل میں سکون سا محسوس ہوا۔ دادی جان اور زرینہ البتہ ویسے ہی تھے۔ وہ تو بس رائے لے رہے تھے۔

"بیٹا! کوئی بات نہیں۔ ہم تو بس رائے لے رہے تھے۔ اگر تمہے انکار ہے تو کوئی بات نہیں۔" دادی جان مسکرائے بغیر بولیں۔

نورزرا غصّے سے اٹھی اور باہر لان میں نکل آئی۔ پھر آگے پیچھے چکر لگانے لگی۔

(ہونہہ!! سوچا بھی کیسے دادی جان نے کہ میں اس لوفر۔۔اف!! اور زرا اس حبیب کو تو دیکھو، اتنی دیر تک میرے ساتھ بیٹھے نا جانے کہاں کہاں کی باتیں کر رہا تھا اور یہ نہیں کہتا کہ دادی جان میرا رشتہ کروانے کے لئے بلا رہی ہیں۔ آنے دو زرا اسے اب میرے سامنے!)

سورج اب تقریباً ڈھل چکا تھا اور آسمان پر اداسی کے سے رنگ تھے۔ آس پاس مغرب کی آذان کی آوازیں پیلی تھیں اور نور کو زرا بھی محسوس نہیں ہوا۔ وہ بس اپنی سوچ میں بر طرح ڈوبی تھی، کسی غافل انسان کی طرح، جسے دنیا کی تماما آوازین سنائی دیتی ہیں مگر فلاح کی طرف کی پکار اس کی سماعت سے کوسوں دور ہوتی ہے۔ عجیب!

تبھی دروازے سے کوئی نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ نور نے دیکھا وہ حبیب ہی تھا۔ وہ وبائل پر سر جھکائے باہر کو آرہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ نور بھی باہر باغیچے میں ہی تھی۔ اسے لگا تھا نور اپنے کمرے میں چلی گئی ہو گی۔

نورزرا پیچھے کو ہو گئی۔ حبیب سر جھکائے چلتا چلتا موبائل کے اوپر انگلیاں چلاتا باغیچے کے تقریباً وسط میں آکھڑا ہوا۔

New Era Magazine

تبھی حبیب کے پیچھے، کمر ایک زوردار مکا آیا۔ حبیب بوکھلا کر آگے کو ہوا اور اسکے ہاتھ سے موبائل زمین پر جا گرا۔ وار اتنا غیر متوقع تھا کہ اسے سنبھلتے چند لمحے لگے۔ جب وہ حیرانی سے مڑا تو نور دونوں ہاتھ باندھے غصّے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جان گیا تھا نور اسے ایسے کیوں دیکھ رہی تھی۔ اس نے جھک کر موبائل اٹھایا۔

"نور کیا کر رہی ہو؟ میں اتنی امپورٹنٹ میل کر رہا تھا اور تم ایسی۔۔"

"شرم آتی ہے یا نہیں؟"

"الحمدُللہ!"

"تبھی ایسی حرکتیں کرتے ہو نا؟ مجھے کہتے ہو میں جھوٹ نہیں بولتا اور اتنی دیر بک بک کرنے کے باوجود یہ نہیں بتایا کہ۔۔" بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ اتنا کافی تھا۔

"مگر یہ تو دادی جان کے کرنے کی ہی بات تھی نا۔ مجھے لگا، مجھے انکی بات انکے کہنے سے پہلے تم تک۔۔"

"زیادہ نیک پروین بننے کی ضرورت نہیں ہے!" وہ غصّے سے بولی۔

"تھینک یو!" مسکرا کر بولا۔ وہ واقعی نیک پروین لگ رہا تھا۔

"سٹاپ اٹ!!"

"اچھا سوری!" یہی آخری حل تھا، اور حبیب جانتا تھا۔

"ویسے تم اس قابل تو نہیں ہو مگر۔۔ہونہہ!!سوچوں گی۔"ایک شان سے نخریلے انداز میں بولی۔حبیب اس کے لاڈ پر مسکرایا۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا تم۔۔واقعی اس سے سچی محبت۔۔کرتی ہو؟"نور دنگ رہ گئی۔

"کس سے؟"

"اوہو!جنید سے اور کس۔۔"

اس سے پہلے کہ نور ایک اور مکّا مارنے کے لئے طاقت لگاتی،وہ ہنستا ہوا اندر کو بھاگا گیا۔نور نے دیکھا بھاگتے ہوئے اسکے بال آگے سے ہلکے سے اڑے تھے۔

نور خود بھی اب ہنسنے لگی تھی۔وہ یقیناً اس کے موڈ کو اچھا کر رہا تھا اور وہ کامیاب ہو گیا تھا۔

"اڈیٹ!!"بس مسکرا دی۔

☆☆☆

اسکی آنکھوں میں ایک منظر لہرایا۔۔

تیز گرجتے بادل۔سیاہ گھپ اندھیرا۔سیاہ آسمان،قریباً دو تارے نظر آتے تھے۔ہلکی ہلکی بوندا باندی۔

"کوئی ہے؟کوئی ہے؟"عالیان زور زور سے چلا رہا تھا۔

"کوئی ہے؟ یہاں بہت اندھیرا ہے۔کوئی ہے؟!!!"

مگر کہیں سے کوئی آواز بھی نہیں آئی۔

پھر ایک دم سے اس نے اپنے اوپر ڈھیروں روشنی محسوس کی۔ گو ایک سپاٹ لائٹ ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی سماعت میں آوازیں گونجنے لگیں۔ زرا زرا شور بلند ہو رہا تھا۔ پھر زرا زرا اسے محسوس ہوا کہ وہ شور انسانوں کی آوازوں کے ساتھ جانوروں کی آوازوں سے بھی ملا جلا ہے۔اسے لگا ساری آوازیں اس کی طرف کو آ رہی ہیں۔ آہستہ آہستہ !

تبھی روشنی سی آس پاس محسوس ہوئی اور آس پاس کا بھی منظر واضع ہوا۔آس پاس جھاڑیاں سی تھیں ہر طرف اور اسکے سامنے اک کموڈو ڈریگن بیٹھا تھا، جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر آس پاس سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

"تم پاگل ہو! تم پاگل ہو!"

"تمھے سائکیٹرسٹ کی۔۔"

"تمہارا دماغ۔۔"

"تمھے علاج کی۔۔"

"میں تمہیں کل لے جاؤں گا سائک۔۔"

"بند کرو!!بند کرو یہ سب!!"عالیان نے خود کو بے اختیار چلاتے پایا۔

آس پاس کا منظر دھندلا ہوتا جارہا تھا۔مگر اس نے دیکھا کموڈو ڈریگن اسکے قریب آرہا ہے۔

"بند کرو!!نکل جاؤ!!"

اور قریب۔

"نکل جاؤ میرے۔۔"

"تم پاگل ہو!!"آوازیں سماعت میں گونجیں۔

اور قریب۔

"نکل جاؤ میرے دماغ سے تم!!"وہ پھر سے چلایا۔

پھر ایک دم کموڈو ڈریگن اسکے بلکل ساتھ آگیا اور پھر۔۔

☆☆☆

اسلام آباد پر وہ دن عجیب سا اترا تھا۔دھوپ تو تھی ہی مگر ٹھنڈی ہوائیں بھی چل رہی تھیں۔اونچے درختوں والے گھر کے درخت ہوا سے ہل رہے تھے۔باغیچے سے سٹڈی کی وسیع شیشے کی دیوار نظر آتی تھی،جس پر دھوپ پر رہی تھی۔

نورالعرش یونی سے آئی تو بہت خوش خوش سی تھی۔جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے،اس کی خوشی بڑھتی ہی جارہی تھی۔گھر کے اندر جاکر اسے خبر ملی کہ وہ سب شادی کے لئے مہندی لگانے جارہے ہیں تو وہ جلدی سے کمرے سے تیار ہو کر باہر نکل آئی۔

مہندی لگوانے وہ سب جناح مرکز گئیں۔وہاں کئی اچھے اچھے سیلون تھے،جہاں سے نور پہلے بھی مہندی لگوا چکی تھی تو وہ ان سب کو بھی اپنے ساتھ ادھر لے چلی۔نور کا مشورہ برا ثابت نہیں ہوا تھا!

جناح مرکز میں بھی عجیب سی خلقت جمع تھی۔رش تھی کہ ختم ہونے کو نہ تھی۔لڑکیوں کا ایک جلوس ہی مہندی لگوانے آیا ہوا تھا،ظاہر ہے سردیاں تھیں۔شادی سیزن!

نور نے ان چاروں کی بکنگ کروا رکھی تھی اور اتنی مخلوقِ خدا ہونے کے باوجود انکو زیادہ ٹائم نہ لگا تھا۔مریم اور زیمل نے بس ہلکی ہلکی مہندی لگوائی تھی،اتنی کہ نظر آئے۔مگر ان کے بر عکس جب نور اور ثناء کو دیکھا جائے تو دونوں نے ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی خوب ہاتھ بھروائے تھے۔گو دونوں کا کوئی مقابلہ چل رہا ہے۔

مہندی لگانے والی بھی خوب مہندی بھر رہی تھی۔ بھلا، اس کو کیا نقصان تھا؟ اس کا تو فائدہ ہی فائدہ تھا۔ مریم نے منع کیا تھا مگر نور کو اپنے ہاتھ خالی خالی سے لگ رہے تھے۔

گھر پہنچ کر چاروں لاؤنج میں گئے تھے۔ لاؤنج میں ہی سب موجود تھے۔

"ماشاءاللہ! سب کی بہت اچھی لگ رہی ہے۔" دادی جان نے تبصرہ سا کیا۔

"نور اور ثناء، دونوں کی بہت پیاری لگ رہی ہے!" حلیمہ نے تبصرہ کیا۔

نور بس مسکرا دی اور اوپر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اوپر جا کر کمرہ کھلا تو اندر ٹھنڈی ہوا سی چل رہی تھی۔ نور نے اپنے ہی سر پر ہلکا سا مارا۔

(اف، میں تو بیلکونی کا دروازہ ہی بند کرنا بھول گئی تھی!!)

جلدی سے جا کر بیلکونی کا دروازہ بند کیا اور کنڈی لگائی۔ ہوا کا راستہ رک گیا تھا۔

پھر جا کر مہندی دھولی۔ بہت تیز رنگ چڑھا تھا، جیسے سیاہ سا۔ دودھیا ہاتھوں پر وہ سیاہ سی مہندی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ نور نے ناخنوں پر گلابی پالش بھی لگا رکھی تھی۔ وہ مسکرا کر اب نیچے اتری۔

باقی سب اب مریم کی طرف متوجہ تھے۔ اور اسے ہاتھ بھڑوانے کا کہہ رہے تھے اور وہ "مجھے بس اتنی ہی اچھی لگتی ہے۔۔" جیسے الفاظ استعمال کر کے ان کی بات ٹال رہی تھی۔ ثناء، حبیب کے آگے کھڑی تھی۔ اسے حبیب کے آگے یوں کھڑے دیکھ کر نور

کے ماتھے پر بل سے پڑے۔اس نے بھی اب مہندی دھوڈالی تھی اور اس کا بھی ایسا ہی رنگ چڑھا تھا۔ناجانے دونوں کی کس بات کی ٹسل تھی؟

"حبیب میری مہندی کیسی ہے؟"حبیب نے سر اٹھا کر دیکھا۔نور بھی ساتھ آکھڑی ہوئی تھی۔

"ا۔اچھی ہے!"دھیما سا بولا۔نور نے بھی ہاتھ مسکرا کر پھیلائے تو ثناء جلدی سے بولی۔

"کس کی زیادہ اچھی ہے؟"ساتھ ہی اپنے ہاتھ دوبارہ پھلا لئے۔وہ کچھ کنفیوز سا ہو گیا۔

"دد۔۔دونوں کی اچھی ہے!"پھر نور کو دیکھا،جو خفا خفا سا اسے دیکھنے لگی۔

"زیادہ کس کی؟"ثناء اب اس سے جواب سننا چاہتی تھی۔

"میرے خیال سے نن۔۔نور کی!"اور ثناء کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔زرا پھیکا سا مسکرائی۔

"ہا۔۔ہاں۔میں بھی ایسی ہی لگوار ہی تھی،پھر۔۔"دھیما سا کہہ کر چبھتی نظروں سے مڑ گئی۔اور نور نے مسکرا کر ایک جتاتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

"نیکسٹ ٹائم!"اور داہنی آنکھ جھپکائی۔

اور حبیب سکندر بس نفی میں سر ہلاتا رہ گیا۔توبہ !اس نے تو بس سچ بولا تھا۔کسی کی طرف داری نہیں کی تھی۔

نور زرا سا اسے مسکرا کر دیکھی اور بس اتنا کہا۔

"میں پڑھنے جاتی ہوں اب!"وہ اب رکنا چاہتی بھی نہیں تھی۔اس کے رکنے سے اب کچھ فرق پڑھنے والا بھی نہیں تھا۔اب اس کے جانے کے بعد حبیب ثناء کو ایکسکیوز کر بھی دے تو کیا فرق پڑتا ہے؟اس کے سامنے تو اس کی بے عزّتی ہو گئی تھی نہ!

وہ مسکرا کر اب سٹڈی روم کی جانب بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

"نکلو!!نکل جاؤ میرے دماغ سے تم!!نکل جاؤ!!!"اتنا زار سے چلایا کہ حلق تک خشک ہو گیا۔

اور اس نے اپنے آپکو زمین پر پڑا پایا۔آہستہ آہستہ منظر واضع ہوا تو اس کو سمجھ آیا۔وہ عبدالرزاق کے اس آفس نما کمرے میں موجود ہے۔عبدالرزاق کی اب اسکی طرف کمر تھی۔

"یہ تھی میری طاقت۔"عالیان کی آنکھوں سے آنسو امڈ امڈ آئے۔آخر یہ سب ہو کیا رہا تھا؟

وہ آرام آرام سے اٹھا۔

"ہم سب پہلے ایسے ہی تھے۔ بلکل ایسے، جیسے اب تم ہو۔ کمزور۔ بے بس۔ طاقتوں کے باوجود ہم میں لڑنے کی کوئی قوت، کوئی طاقت نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر پھر مجھے بھی ایک استاد ملا، جس نے مجھے میری طاقت پر کنٹرول کرنا سکھایا۔"

عالیان گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

"پھر مجھے بھی کوئی ملا، جسے میں نے اس کی طاقت پر کنٹرول کرنا سکھایا اور پھر اس طرح ڈوریں بندھتی گئیں۔ اور آج، تم بھی ایک نئی ڈور ہو، اور تمہے بھی ہمارے ساتھ بندھ جانا ہے۔ اور بہت سے ایسے بھی ہیں، جو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، کیونکہ وہ ہم خاص وگوں میں رہنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ وہ اپنے آپکو عام لوگوں میں رکھنا اور اُن کی ڈور میں بندھنا چاہتے تھے۔" اس کی آنکھوں میں وہ چہرہ لہرایا اور آنکھ کی اوپری تہہ پر گرم پانی کی چادر سی نظر آنے لگی۔ "تو دیکھو۔ آج وہ اکیلے ہیں۔ بلکل اکیلے۔"

"میں کیا کروں کہ میری طاقت میرے کنٹرول میں آجائے؟"

"وہ کمرہ، جہاں تم آج کھڑے تھے وہاں کل سے چلے جانا۔ وہاں سب پریکٹس کرتے ہیں، اپنی طاقتوں کی۔ کل میں تمہے عبداللہ سے ملواؤں گا۔ وہ تمہے ہر چیز کا بتا دے

گا۔ یہاں تجھے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ یہ سب لوگ ہی تمہاری فیملی ہیں اب۔۔"

"اگر میں باہر جانا چاہوں تو؟"

"ہم یہاں سے عموماً باہر نہیں جاتے۔ مگر اگر پھر بھی تم باہر جانا چاہو تو عبداللہ سے کہنا وہ کسی نہ کسی کو تمہارے ساتھ باہر بھیج دے گا۔ اکیلے مت جانا۔ یہاں تمہیں نہ راستوں کی سمجھ ہے، نہ زبان، نہ لوگوں کی۔" اس نے آس پاس دیکھا۔ اب وہاں نورا نہیں تھی۔ شاید جب وہ اس خواب کی سی کیفیت میں تھا تو وہ چلی گئی تھی۔

"یہاں سب تمہارے دوست اور ساتھی ہیں۔ سب کو اپنا سمجھنا۔ اب جاؤ!"

"کہاں جاؤں اب میں؟"

"تم جہاں بھی جانا چاہو جاؤ! یہ سب جگہ دیکھ لو۔ سب تمہاری ہے۔"

عالیان اب پہلی دفعہ مسکرایا تھا۔ اسے عجیب اپنائیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ یہاں کے لوگ اب اسے پاگل کہیں گے نہ دماغی علاج کی درخواست کریں گے۔ وہ اب آزاد تھا زمانے کی باتوں سے۔

وہ اب خوش تھا۔

اسے اب اپنے لوگوں سے ملنا تھا۔

پھر جنگ کی تیاری کرنی تھی۔

☆☆☆

رات ڈھل رہی تھی، قطرہ قطرہ۔ چاند پورا تھا اور بے حد خوبصورت اور روشن تھا۔ ہوا چل رہی تھی ٹھنڈی۔ فروری کا دوسرا ہفتہ شروع تھا۔ اونچے درخت ہل رہے تھے۔ گھر کی تمام بتیاں روشن تھیں۔ فروری کی عجیب سی پر سکون راتیں تھیں۔ جب دنیا بھر میں شاموں میں ایک سکون سا بھر آتا۔ خاموشی سی خاموشی تھی۔

اونچے درختوں والے گھر کی سٹڈی روم کی بتیاں بجھی تھیں۔ وہاں نور کے علاوہ کوئی نہیں آتا تھا۔ دادی جان نے وہ، دراصل نور کے لئے ہی سیٹ کروایا تھا۔ مریم اپنے کمرے میں ہی پڑھ لیتی تھی یا باہر باغیچے میں بیٹھ کر۔ سٹڈی کے دروازے کا ناب گھوما اور نورالعرش اندر آتی دکھائی دی، مسکراتے ہوئے۔ اندر گھس کر بتی روشن کی اور دروازے سے ہی لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اور کچھ دیر مسکراتے ہوئے کھڑی رہی۔ وہ شخص جس کو وہ چند سالوں سے بھولی ہوئی تھی آہستہ آہستہ، اس کی زندگی کا ایک بہت اہم حصّہ بن رہا تھا۔ وہ اسکے بارے میں کچھ دوسری طرح سے سوچنے لگی تھی۔ کبھی کبھی اسے اپنے آپ پر بھی غصّہ آتا کہ وہ کیا سوچنے بیٹھ گئی ہے مگر پھر وہ اسی سوچ میں کوئی ایسا سرا نکال لیتی جو اس شخص سے آملتا اور وہ دوبارہ اس کے خیالات پر چھا جاتا۔

سٹڈی روم زیادہ بڑا کمرا نہیں تھا۔ مگر اس کی چھت کافی اونچی تھی، گھر کے باقی کمروں کے مقابلے میں۔ چاروں طرف لکڑی ہی نظر آتی تھی۔ فرش بھی لکڑی کا ہی بنا تھا۔ اندر لکڑی کی اونچی الماریاں بھی لگی تھیں، جن میں کتابیں بھری پڑی تھیں۔ الماریوں کے بیچ میں ایک ٹیبل سی بنی تھی۔ جس پر نور کے چند قلم، کتابیں اور ایک کونے میں دو گڑیا سی پڑی تھیں، کپڑے کی بنی ہوئی۔ ایک دیکھنے میں قدرے پرانی اور گندی سی لگتی تھی۔ جبکہ دوسری وہی تھی جو اس دن نور نے حبیب کے ساتھ فوڈ سٹریٹ میں خریدی تھی۔ وہ گڑیاؤں سے کھیلنے والی بچی نہیں تھی مگر جو دل کو چھو جائے وہ چھو جائے! لکڑی کے کمرے کی ایک سائڈ مکمل پردوں سے چھپی تھی۔ اور پردوں کے پیچھے کوئی دیوار نہیں تھی بلکہ پورا شیشہ لگا تھا اور باہر کے باغیچے کا منظر نظر آتا تھا۔ آگے صوفے اور میز وغیرہ پڑی تھی۔

نور اپنے خیالوں سے جانے کیسے نکلی اور پھر قدم قدم چلتی آگے ٹیبل پر آ بیٹھی اور حبیب کی دی ہوئی گڑیا کو اٹھا لیا۔

پھر آنکھوں کے سامنے وہی پرانا منظر ابھرا، جس دن وہ جا رہے تھے۔۔

وہ دونوں زینوں پر اداس سے بیٹھے تھے اور رات کو ہونے والی لڑائی کی آوازوں کی بات کر رہے تھے کہ حبیب بولا۔

"ہاں یاد آیا! میں نے تمہے کچھ دینا تھا۔" حبیب کی بھوری آنکھیں کچھ یاد آنے پر چوڑی ہوئیں۔

"کیا؟" نور نے اپنی سنہری آنکھیں سکوڑے پوچھا۔

حبیب جلدی سے اٹھا اور اندر کی طرف بھاگا پھر کچھ دیر بعد آیا تو ہاتھ میں کچھ پکڑے، ہاتھ کمر کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔

"کیا ہے دکھاؤ دو اب!" نور نے اداسی سے بولا تھا۔

"تڈاااااا!!" معصوم سے، چھوٹے سے حبیب نے مسکرا کر ہاتھ آگے کیا۔

"ایں! یہ تو کتنی فضول ہے۔ یہ تم نے کب لی؟" نور کے تبصرے پر حبیب کا منہ سا بنا۔

"اس دن ممی کے ساتھ لی تھی۔"

"مجھے تو پسند تو نہیں آئی، لیکن اب تم جا لیے ہو اور۔۔اور تم گڑیا سے تو کھیلو گے نہیں تو میں لکھ لیتی ہوں!" حبیب مسکرا دیا۔ وہ پیاری باتیں کرتی تھی۔

پھر منظر تحلیل ہوا اور اس نے اپنے آپکو مسکراتا پایا۔ پھر سر جھٹکا اور کتابیں آگے کر لیں۔

وہ اب اپنی ریسرچ کی تیاری کر رہی تھی۔اس نے اپنا سوپر وائزر بھی سیلیکٹ کر لیا تھا اور ٹاپک بھی۔بس اب ریسرچ کرنی تھی۔پھر زرار کی اور ادھر ادھر کتابیں چھاننے لگی۔

(ڈیم اٹ !سب سے ضروری کتاب تو کمرے میں ہی رہ گئی)

پھر زرامنہ بسورتے ہوئے اٹھی اور کمرے سے نکلی۔باہر نکل کر سیدھا جاؤ تو لاؤنج سے اب بھی آوازیں آرہی تھیں یعنی سب لوگ اب بھی ادھر ہی بیٹھے تھے۔وہ زرا سر جھٹک کر اور دل ہی دل میں سب کو "فارغ لوگ" کہہ کر اوپر چلی گئی۔

اوپر جا کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور بتی روشن کی۔ہوا کا ایک سرد جھونکا بیلکونی کی جانب سے آیا تھا۔باہر درخت ہلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔تھوڑا آگے گئی اور بائیں والی سائڈ ٹیبل کی دراز کھولی۔(وہ ہمیشہ دائیں طرف ہی سوتی تھی اور بیڈ کی بائیں سائڈ خالی ہی ہوتی تھی۔'بودریا' بھی دائیں جانب کی سائڈ ٹیبل پر پڑی تھی۔)دراز کے اندر دو کتابیں پڑی تھیں،دونوں اٹھالیں اور مڑ گئی۔

پھر ٹھٹکی۔۔واپس مڑی۔۔بھنویں حیرانی سے بھینچی ہوئی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو لکھ کر بھی دے سکتی تھی کہ وہ بیلکونی کا دروازہ لاک کر کے گئی تھی۔پھر یہ کھلا کیسے؟دل پر جیسے کچھ آلگا۔زرا کو آگے گئی،تو درختوں میں جنبش سی ہوتی دکھائی

دی۔اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں۔کیا کوئی بیلکونی سے یہاں آیا تھا۔پھر سر جھٹکا اور دل میں سوچا کہ ہو سکتا ہے،اس نے صحیح سے بند نہ کیا ہو اور وہ خود ہی ہوا کے باعث کھل گیا ہو۔

پھر پیچھے ہو کر بیلکونی کا دروازہ بند کرنے لگی،تو وہاں کنڈی ہی نہیں تھی۔پاؤں میں کچھ چبھا تو نیچے کو دیکھی۔کنڈی نیچے گری پڑی تھی۔یعنی یہ اس کا خیال نہیں تھا،کوئی واقعی ہی آیا تھا مگر کیوں؟ہاتھ میں کتابیں ویسے ہی پکڑیں تھیں۔

جلدی سے کتابیں دائیں جانب کی سائڈ ٹیبل پر رکھیں اور وہاں سے ایک چھوٹی کرسی اٹھالائی اور بیلکونی کے دروازے کے آگے اٹکا دی تاکہ وہ فلحال کے لئے بند ہو جائے۔آنکھوں میں ایک عجیب سا خوف تھا۔پھر ڈر کر مڑ گئی اور واپس باہر نکلنے لگی۔دائیں سائڈ والی ٹیبل کے پاس آئی اور کتابیں اٹھائیں اور مڑ گئی۔

پھر رکی۔۔ایک اور جھٹکا سا لگا تھا۔دل میں کچھ ڈوب کر ابھرا تھا۔وہاں بو دریا پڑی تھی۔مگر وہ اس کتاب سے نہیں ٹھٹکی تھی۔

وہ تو اس کتاب کے نیچے پڑے ایک کاغذ سے ٹھٹکی تھی،جو اس نے کبھی رکھا ہی نہیں تھا۔جلدی سے ٹیبل کے قریب آئی اور آرام سے کتاب اٹھا کر سائڈ میں کی اور نیچے سے کاغذ نکالا۔

اس پر کچھ لکھا تھا، بلکل اسی لکھائی میں، جو اس خط پر ہوئی تھی جو اسے اس 70 سالہ بڑھیا نے تھمایا تھا۔

پھر اس نے پڑھا، جو اس پر لکھا تھا۔۔

اور وہ لمحہ تھا یا کیا جس نے وقت اور آوازیں وہیں جامد کر دی تھیں۔۔

وہ نہ کچھ محسوس کر رہی تھی۔۔

نہ اسے کچھ سنائی دے رہا تھا۔۔

☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ!)

نوٹ

شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے از صارم خان پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ (نیو ایرا میگزین)

ہمیں اپنی ویب نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلیئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگرآپ ہماری ویب پراپناناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تواردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کااستعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریرایک ہفتے کے اندراندرویب پرپوسٹ کردی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلیئےاوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کااستعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرا میگزین

New Era Magazine